نہایت افسوسناک واقعہ

فیڈور میخائیلوچ دوستوفسکی

مترجم: ڈاکٹر ظ انصاری

A Nasty Story

Urdu translation of "Скверный анекдот"

A Nasty Story (or An Unpleasant Predicament)

نہایت افسوسناک واقعہ

فیڈور میخائیلوچ دوستوفسکی

(Fyodor Dostoevsky)

مترجم: ڈاکٹر ظ انصاری

نہایت افسوسناک واقعہ

یہ افسوس ناک واقعہ اس زمانے میں پیش آیا جب ہمارے وطن عزیز کا نوجیون بے پناہ جوش و خروش اور سادہ پر کار ہیجان کے ساتھ شروع ہوا اور وطن کے تمام سپوتوں کا دھیان اس طرف لگ گیا کہ نئی دھن ہو اور نئی امنگیں۔ ایک روز موسم صاف تھا' کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی اور وقت قریب آدھی رات کا ہو گا' تین نہایت باعزت' صاحب حیثیت لوگ ایک بہت ہی نفیس دو منزلہ مکان کے آرام دہ بلکہ خوب سجے سجائے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ یہ مکان پیٹر برگ کے محلے میں تھا۔ تینوں حضرات ایک بہت ہی دلچسپ موضوع پر اعلیٰ پائے کے اور وزنی تبادلہ خیالات میں محو تھے۔ تینوں کے تینوں جنرل کے عہدے پر مامور تھے۔ بیچ میں ایک چھوٹی سی میز پڑی تھی اور اسی کے گرداگرد عمدہ قسم کی تکیے دار' تین آرام کرسیاں' ان پر یہ لوگ براجمان تھے' باتیں کرتے جاتے اور سکون سے' آرام سے شمپین کی چسکیاں لیتے جاتے۔ بوتل میز پر چاندی کے طشت میں لگی ہوئی تھی جو آدھا برف سے بھرا ہوا تھا۔ اس ملاقات کی صورت یوں پیدا ہو گئی کہ صاحب خانہ' یعنی پراوی کونسل کے ممبر استیپان نکی فرووچ نکے فروف' جو ۶۵ برس کے پکے برہمچاری تھے' آج کے دن ایک ساتھ دو دو تقریبیں منا رہے تھے ---- ایک تو خانہ آبادی کی' کہ یہ مکان انہوں نے ابھی ابھی خریدا تھا' اور دوسری بات یہ تھی کہ ان کی سال گرہ بھی تھی جو اتفاق سے آج ہی کے دن آ پڑی اور اس سے پہلے کبھی نہیں منائی گئی تھی۔ البتہ یہ محفل تقریب نہیں بن رہی تھی۔ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں مہمان صرف دو حضرات تھے اور دونوں ہی مسٹر نکے فروف کے پرانے ساتھی اور ماتحتی میں کام کئے ہوئے۔ دونوں کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر' ان کے نام نامی سیمیون ایوانووچ شیپولینکو اور ایوان ایلیچ پرالینسکی۔ یہ لوگ کوئی نو بجے چائے پر آئے تھے اور اس کے بعد انہوں نے شمپین شروع کر دی تھی۔ انہیں پہلے سے معلوم تھا کہ ساڑھے گیارہ بجے یہاں سے اٹھ جانا ہے' کیونکہ صاحب خانہ

اوقات کی پابندی میں بہت کٹر مانے جاتے تھے۔ اب ذرا ان کے بارے میں چند الفاظ :
انہوں نے اپنا کیریر بہت نیچے کے بے زبان سرکاری ملازم کی حیثیت سے شروع کیا تھا اور
۴۵ برس تک ناگوار سے ناگوار فرائض صبر و سکون کے ساتھ انجام دئے تھے اور خوب اچھی
طرح جان لیا تھا کہ میں کس عہدے پر پہنچ کے رہوں گا۔ تقدیر یا ستاروں سے آس لگائے
رکھنے پر ان کی طبیعت ذرا بھی مائل نہ تھی اگرچہ کوٹ کے لوٹ پر اونچے عہدے کے دو
ستارے نمودار ہو چکے تھے۔ موضوع چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو' وہ اپنی ذاتی رائے کبھی کھل
کر ظاہر نہ کرتے تھے۔ آدمی دیانت دار تھے' یعنی کبھی ان کو اس کی مجبوری نہ ہوئی کہ کوئی
ایسی حرکت کر گزریں جو واقعی بددیانتی کی ہو۔ انہوں نے شادی نہ کی تھی اور یہ بھی محض
اپنے فائدے کے خیال سے۔ آدمی ہرگز کم عقل نہیں تھے اگرچہ انہیں اپنی عقلمندی کا
اعلان ذرا بھی گوارا نہ تھا۔ جس چیز کو وہ سب سے زیادہ ناپسند کرتے تھے وہ بھی بے ترتیبی'
بدنظمی اور بے خودیت۔ جسے وہ آخر میں تو اخلاقی ابتری خیال کرنے لگے تھے اور زندگی کے
آخری دور میں خود کو انہوں نے ایک طرح کی مزے دار عافیت پسند تن آسانی اور مستقل
گوشہ تنہائی میں ڈال دیا تھا۔ بعض اوقات وہ اوپر کے لوگوں سے ملنے ملانے بھی چلے جاتے
تھے لیکن نوعمری سے ہی اپنے گھر اوروں کو بلانے سے پرہیز کرتے رہے تھے۔ ادھر کچھ
عرصے سے ' جب وہ پیشنس کا کھیل نہیں کھیلتا تو صرف اپنے دیواری گھنٹے کی صحبت پر
قناعت کر لی تھی جو آتشدان کی کارنس پر شیشے کے خانے میں رکھا ہوا مستقل ٹک ٹک کرتا
رہتا تھا' اور وہ سکون سے اس کی آواز رات گئے تک آرام کرسی میں پڑے ہوئے سنتے
رہتے تھے۔ دیکھنے میں استیپان نکی فرودچ نہایت شریف اور باحیثیت آدمی لگتے تھے' ڈاڑھی
مونچھیں صاف' چہرے پر عمر نہیں برستی تھی' خود کو بہت سنبھال کر رکھا تھا اور قیاس ہوتا تھا
کہ ابھی بہت عرصے جئیں گے۔ برتاؤ میں' طور طریق میں بہت سخت پابند وضع۔ ان کا
منصب بھی ایسا تھا جس میں کافی آرام اور سہولت : صرف چند اجلاسوں پر جانا اور بعض
کاغذوں پر دستخط ثبت کر دینا۔ مختصر یہ کہ لاجواب آدمی کی ساری شرائط ان پر پوری اترتی
تھیں۔ صرف ایک دھن تھی ان کو' بلکہ یوں کہئے کہ ایک تمنا' اور وہ یہ کہ میرا ذاتی مکان
ہو' ایسا جیسا کہ صاحب حیثیت شریف آدمی کا ہونا چاہئے۔ ویسے ہی مضبوط اور ٹھوس ٹھکانا
نہیں سر چھپانے کا۔ آخر اب یہ تمنا بھی بر آئی۔ پیٹر سبرگ کے محلے میں انہوں نے ایک

مکان منتخب کیا اور خرید لیا- یہ صحیح ہے کہ مکان آبادی سے ذرا کافی ہٹ کر تھا لیکن مکان کے ساتھ باغ لگا ہوا تھا اور اس کے سوا یہ بھی کہ عمارت نہایت نفیس- مکان کے نئے مالک کا کہنا تھا کہ میں آبادی سے جتنا دور ہٹ کر رہوں اتنا ہی اچھا' کیوں کہ اس کا شوق تو ہے نہیں کہ میرے ہاں مہمان آیا کریں- رہا کہیں آنے جانے اور دفتر پہنچنے کا سوال' تو اس کے لئے نہایت عمدہ دو سیٹوں والی گاڑی موجود تھی' کتھئی رنگ کی' ایک کوچوان تھا میخی نام کا اور چھوٹے چھوٹے گٹھیلے خوب صورت گھوڑوں کی ایک جوڑی تھی- یہ سب کچھ پھل تھا چالیس برس کی گھٹیا کفایت شعاری کا' چنانچہ اب دل کھول کر وہ اس سے لطف اندوز ہو سکتے تھے- وہی وجہ تھی کہ جب مکان خریدا جا چکا اور وہ اس میں منتقل ہو گئے تو استیپان نکی فرووچ کو اپنے قلب مطمئن میں ایسی راحت کا احساس ہوا کہ واقعی انہوں نے اپنی سال گرہ پر مہمانوں کو بلا لیا حالانکہ اپنی پیدائش کی تاریخ کو اب تک بے تکلف دوستوں تک سے جان بوجھ کر راز میں رکھا تھا- امر واقعہ یہ ہے کہ اپنے دو مہمانوں میں سے ایک کے بارے میں بعض خاص خیالات ان کے دل میں موجود تھے- عمارت میں صرف اوپر کی منزل کے لئے کرایہ دار کی ضرورت تھی اور یہ منزل بھی اوپر کے طرز پر بنی ہوئی تھی- استیپان نکی فرووچ کی نظر سیمیون ایوانووچ شیپولینکو پر تھی اور اس شام کی نشست میں انہوں نے گفتگو کو دو بار اس طرف موڑا بھی- لیکن سیمیون ایوانووچ نے اس موضوع پر زبان ہی نہ کھولی- یہ حضرت بھی اسی قسم کے آدمی تھے جنہوں نے بہت آہستہ آہستہ اور بڑی مصیبت سے زندگی میں قدم آگے بڑھایا تھا- سیاہ بال اور گل مچھے اور چہرے پر کوئی چیز تھی جو مستقل برفانی رنگ لئے ہوئے تھی- شادی شدہ' کنبے والے آدمی' نہایت گھر گھسو' جن سے گھر کے لوگ مستقل سہمے رہتے تھے- بڑے اعتماد کے ساتھ ڈٹ کر اپنے فرائض بجا لانے والے اور جی میں خوب سمجھے ہوئے کہ کہاں کس مرتبے پر پہنچنا ہے' اور اس سے بھی بڑھ کر یہ جان لینے والے کہ کہاں نہیں پہنچ سکیں گے- اونچا عہدہ رکھتے تھے اور اسے مردانگی سے نبھا رہے تھے- انہیں اس نئے دور کا احساس تھا جو شروع ہو رہا تھا' اگرچہ یہ احساس ذرا رنگ عداوت لئے ہوئے تھا پھر بھی وہ اس سے کچھ خاص گھبرائے نہ تھے: انہیں اپنے اوپر پورا اعتماد تھا اور نئے سوالات پر ایوان ایلیچ پرالینسکی کی زوردار تقریر کو کسی قدر طنزیہ چھیڑ چھاڑ کے ساتھ سن رہے تھے- لیکن اب یہ بتا دینا چاہئے کہ ان پر شراب کا اثر ہو چلا

تھا اور استیپان نکی فرووچ نے بذات خود اس پر آمادگی ظاہر کی کہ نئے دور کے بارے میں مسٹر پرالینسکی سے کچھ بحثا بحثی کر ڈالیں۔ یہاں مناسب ہو گا کہ ہزاکسی لینسی مسٹر پرالینسکی کے بارے میں چند الفاظ کہتے چلیں، خاص طور سے اس لئے کہ ہماری کہانی کا اصل کردار یہی صاحب ہیں۔

کونسل آف اسٹیٹ کے ممبرایوان ایلیچ پرالینسکی ابھی چار مہینے سے صرف حضور والا (یوراکسی لینسی) کہہ کر خطاب کئے جانے لگے تھے کیوں کہ ابھی ابھی وہ جنرل کے عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔ عمر کے لحاظ سے بھی وہ بہت نہیں تھے، زیادہ سے زیادہ ۴۳ برس کے ہوں گے۔ دیکھنے میں اس سے بھی کم لگتے تھے اور اس بات پر ناز بھی کرتے تھے۔ خوش شکل، خوش قامت، خوش پوش آدمی، جنہیں اپنے لباس پر اور حسن نفاست اور جس شان کے ساتھ زیب تن کرتے تھے، اس پر فخر تھا۔ اپنے سینے پر ایک اونچے درجے کا تمغہ لگائے ہوئے اور وہ بھی بڑی آن بان کے ساتھ۔ بچپن میں انہوں نے ادب آداب میں عالی خاندان شرفا کے سے کچھ چونچلے سیکھ لئے تھے اور بن بیاہے رہ کر انہیں آرزو تھی کہ دولت مند بلکہ عالی خاندان کی دلہن نصیب ہو گی۔ اب بھی وہ خواب دیکھنے یا آرزوئیں کرنے میں مبتلا تھے حالانکہ کسی صورت سے بھی ان کو بے عقل نہیں کہا جا سکتا تھا۔ پارلیمنٹری وضع قطع اختیار کئے رہنے سے طبیعت کو خاص لگاؤ تھا بلکہ اسی میں پڑنا پسند تھا۔ اچھے خاندانی آدمی تھے۔ باپ جنرل اور خود بڑے طرح دار بنے سنورے۔ لڑکپن کے ابتدائی زمانے میں انہیں مخمل اور وائل کے نرم و نازک لباس پہنائے گئے اور عالی خاندان بچوں کے اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ وہاں انہوں نے علم تو کچھ خاص حاصل نہیں کیا البتہ جو عہدہ ملا اسے بڑی خوش اسلوبی سے نبھا دیا، اور اب جنرل کے عہدے کو پہنچ گئے تھے۔ حکام بالا سمجھتے تھے کہ یہ آدمی قابل ہے اور ان سے امیدیں بھی وابستہ کرتے تھے۔ لیکن استیپان نکی فرووچ جن کے زیر سایہ انہوں نے اپنا مستقبل بنانا شروع کیا تھا اور جنرل کے عہدے کو پہنچنے تک انہی کی ماتحتی میں کام کیا تھا، ان کی ذات سے نہ تو کوئی امید رکھتے تھے، نہ خاص کسی قابل سمجھتے تھے۔ اس بات سے البتہ استیپان نکی فرووچ کی دل بستگی تھی کہ یہ شخص خاندانی ہے، صاحب جائداد ہے، جائداد سے مطلب یہ کہ پتھر کی بنی ہوئی ایک بہت بڑی عمارت جس پر داروغہ ملازم ہے، اور یہ کہ رشتہ داروں میں بھی بعض ایسے لوگ شامل ہیں جنہیں بے

حیثیت نہیں کہا جا سکتا، اور اس کے علاوہ یہ کہ دیکھنے میں بھی جچتا ہے۔ دل ہی دل میں استیپان نکی فروورچ اس شخص کی گرمی تخیل کو اور فضول کی پرواز کو ناپسند کرتے تھے۔ خود ایوان ایلیچ کو بعض اوقات محسوس ہوتا تھا کہ ضرورت سے زیادہ خود پرست بلکہ شاید جلدی سے دل پر اثر لے لینے والے آدمی ہیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وقتاً" فوقتاً" ان پر ناقابل فہم قسم کے دورے پڑا کرتے تھے جن میں ایک طرح کی پشیمانی کا ناسور رستا تھا گویا کوئی ایسی بات ہو گئی ہو جس پر ان کا ضمیر رہ رہ کر کاٹ لیتا ہو۔ ذہنی تلخی اور اندرونی ٹیس کے ساتھ وہ بعض اوقات محسوس کرتے تھے کہ اتنے اونچے نہیں اٹھے ہیں جتنے اپنے زعم میں ان کو اٹھنا چاہئے تھا۔ ایسے لمحوں میں ان پر کچھ افسردگی اور بے دلی سے طاری ہو جاتی تھی، خاص طور پر اس وقت جب بواسیر کا مرض ان کو اذیت دینے لگتا تھا اور انہیں اپنی زندگی بقول خود(۱) une existence manquee نظر آنے لگتی تھی اور وہ یہ بھی ماننے سے انکار کرنے لگتے تھے (ظاہر ہے کہ دل ہی دل میں) کہ ان میں پارلیمنٹری اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر وہ خود کو بڑی بات کرنے والے کے لقب سے نوازا کرتے تھے۔ اگرچہ ان میں یہ صفت بڑی قابل تعریف تھی لیکن اس کا ذرا اثر نہیں ہوتا تھا اس بات پر کہ آدھے گھنٹے بعد وہ اپنا سر اٹھا اٹھا کر، ہشاش بشاش ہو کر خود کو پہلے سے بھی زیادہ شدت سے، زیادہ بڑھ کر یقین دلانے لگتے کہ ابھی وقت ہے کہ وہ اپنا جوہر کمال دنیا کو دکھا دیں اور صرف ایک اعلی عہدے دار نہیں بلکہ اس کے صلے میں ایسے زبردست مدبر ثابت ہو کر رہیں گے جن کو سرزمین روس بہت زمانے تک یاد رکھے گی۔ گاہے گاہے ان کو تصور میں اپنی یادگاریں اور مورتیاں نصب نظر آتی تھیں۔ یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ ایوان ایلیچ کی نگاہ بہت اوپر تھی اور وہ اپنے مبہم خوابوں اور امنگوں کو بعض اندیشوں کے ساتھ دل میں گہرا چھپائے ہوئے تھے۔ دو لفظوں میں کہا جائے تو اچھے آدمی تھے اور مزاج شاعرانہ پایا تھا۔ ادھر کچھ برسوں سے وہ لمحے جب ان کے دل کا ناسور رستا تھا، ذرا جلدی جلدی آنے شروع ہو گئے تھے، اور اب ان کے مزاج میں چڑچڑا پن، برہمی اور شک و شبہ بہت بڑھ گیا تھا۔ معمولی سی مخالفت کو بھی اپنی توہین سمجھنے پر تل جاتے تھے۔ لیکن روس میں جو نئی اسپرٹ پھیل رہی تھی وہ ان کے سینے میں بڑی امیدیں جگائے دے رہی تھی۔ جنرل کے عہدے پر ترقی پا جانا خود ان کے اندازے کی ایک تصدیق تھی۔ ان کو حوصلہ بندھ گیا اور

سر اونچا ہو گیا- اب وہ انہی نئے سوالوں، نئے موضوعوں پر جنہیں بڑی تیزی اور پھرتی کے ساتھ اپنایا تھا، خوب بڑھ بڑھ کر، نہایت والہانہ انداز میں گفتگو کر رہے تھے- اس انتظار میں رہتے تھے کہ بولنے کا موقع مل جائے، شہر میں ادھر سے ادھر گھومتے پھرتے تھے اور اکثر جگہ ان کے متعلق یہ طے سمجھا جاتا تھا کہ وہ پکے لبرل ہیں- یہ ایسی رائے تھی جسے وہ خود بھی مبالغے کی حد تک تعریف قرار دیتے تھے- آج کی رات شمپین کے تین چار جام چڑھا لینے کے بعد وہ خوب ترنگ میں آ گئے تھے- اب ان کو یہ چڑھی تھی کہ استیپان نکی فرودچ، جنہیں ایک زمانے سے نہیں دیکھا تھا اور جن کی نہ صرف دل میں عزت تھی بلکہ حکم برداری بھی کر چکے تھے، اب ہر ایک سوال پر ان کی رائے بدلوائی جائے- کسی وجہ سے وہ استیپان نکی فرودچ کو قدامت پرست کٹر آدمی سمجھتے تھے اور بڑے زور شور سے ان پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے- اور استیپان نکی فرودچ اپنے طور پر صفائی دینے کی کوئی کوشش نہ کرتے تھے بلکہ ہوشیاری کی مسکراہٹ بکھیرتے رہتے اگرچہ اس موضوع سے ان کو دلچسپی ضرور تھی- ایوان ایلیچ گرم ہو گئے، اور اس گرما گرمی میں جسے وہ ایک موضوع پر بحث خیال کرتے تھے، جتنا چاہئے تھا اس سے زیادہ بار اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہوئے- جب بھی وہ جام لبوں کو لگا کر رکھتے، استیپان نکی فرودچ بوتل اٹھاتے اور اپنے مہمان کا گلاس بھر دیتے- کسی وجہ سے ایوان ایلیچ ایک دم اس بات پر آزردہ ہونے لگے، خاص کر یہ دیکھ کر کہ سیمیون ایوانووچ شیپولینکو برابر ایک عیار مسکراہٹ سے پیش آ رہے ہیں اور آداب کی پابندی کرتے ہوئے جتنا آدمی کو مسکرانا چاہئے اس سے زیادہ مسکرائے چلے جا رہے ہیں- ایوان ایلیچ دل میں ان سے نفرت تو کرتے ہی تھے لیکن اس کے علاوہ ان کے سنکی پن اور غصے سے ڈرتے بھی تھے- ان کے دماغ میں یہ خیال دوڑا: "دیکھو، یہ دونوں مجھے بالکل لڑکا ہی سمجھ رہے ہیں-"

"نہیں، نہیں، اب وقت ہو چکا ہے، بہت دیر پہلے سے یہ وقت آ چکا تھا" وہ زوروں میں کہتے رہے- "ہم نے کافی وقت گزار دیا، اور میرے خیال میں انسانیت ہی بڑی چیز ہے ---- اپنے ماتحتوں کے ساتھ انسانیت برتنا، یہ لحاظ رکھنا کہ وہ بھی آخر انسان ہیں- انسانیت ہی ہے جو سب کچھ بچا لے جائے گی اور سب کچھ درست کر دے گی ....."

"ہی، ہی، ہی!" جدھر سیمیون ایوانووچ بیٹھے تھے ادھر سے ہنسی کی آواز آئی-

"مگر آپ ہم لوگوں کو کس بات پر اتنی سختی سے ڈانٹ رہے ہیں؟" بالاخر استیپان نکی فرووچ نے خوش اخلاقی کے تبسم کے ساتھ ٹوکا "میں اقرار کئے لیتا ہوں، ایوان ایلیچ صاحب، کہ ابھی تک میں معلوم نہیں کر سکا کہ آپ ہمیں کیا بات بتانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ انسانیت پر زور دے رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ آدمی اپنے ساتھ والے سے محبت کرے، یہی بات نا؟"

"خیر چلئے، یہی سہی، آدمی اپنے ساتھ والے سے پریم کرے، یوں کہہ لیجئے۔ میں....."

"ٹھہریئے، ایک منٹ! جہاں تک میں نتیجہ نکال سکا ہوں، یہ صرف اسی کا معاملہ نہیں ہے۔ آدمی کا دوسرے بنی نوع انسان سے محبت کرنا ہر زمانے میں قابل تعریف شمار ہوا ہے۔ لیکن اصلاحات صرف اسی تک تو خود کو محدود نہیں رکھیں گی۔ کسانوں کے مسائل ہیں، قانون کا سوال ہے، اقتصادی اور معاشی، اخلاقی اور ..... اور ..... بہت سے سوال اٹھ گئے ہیں۔ اور ان اب کو ملا کر دیکھئے، سب کو یکجا لیجئے تو ان سے ..... ان میں ..... بہت اونچ نیچ ہو سکتی ہے۔ یہی چیز ہے جو ہم کو فکرمند کرتی ہے، یہ صرف انسانیت برتنے کا سوال نہیں ہے ....."

"جی ہاں، جناب، مسئلہ اس سے ذرا گہرا جاتا ہے" سیمیون ایوانووچ نے ریمارک کیا۔

"میں اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں اور جناب، سیمیون ایوانووچ صاحب، مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت ہو کہ عقل و شعور کی گہرائی میں مجھے کسی صورت بھی آپ سے دبنا نہیں پڑے گا" ایوان ایلیچ نے ذرا کاٹتے ہوئے کہا۔ ان کا لہجہ خواہ مخواہ درشت ہوا جا رہا تھا۔ "بلکہ میں یہ جسارت بھی کروں گا کہ آپ کو مطلع کروں جناب استیپان نکی فرووچ صاحب کہ آپ بھی میری بات ٹھیک سے سمجھ نہیں رہے ہیں ....."

"میں سمجھ نہیں رہا ہوں۔"

"تاہم میں اپنی بات پر قائم ہوں اور اسی خیال پر شدت سے اصرار کروں گا کہ انسانیت ہی ہے، خاص طور سے اپنے ماتحتوں کے ساتھ انسانیت برتنا، سرکاری عہدے دار کا کلرک کے ساتھ کلرک کا چوکیدار کے ساتھ، ملازم کا لٹھ گنوار کے ساتھ ---- انسانیت، میں پھر کہتا ہوں کہ دراصل وہی ہے جو ہمارے مستقبل کی اصلاحات کا سنگ بنیاد بنے گا اور عام طور سے سب چیزوں میں نئی جان ڈال دے گی۔

کیوں؟ اس کی وجہ ہے! آپ یہ منطقی کلیہ اپنے سامنے رکھئے: میں انسانی مروت رکھتا ہوں اس لئے لوگ مجھ سے محبت کریں گے۔ مجھ سے محبت کی جائے تو لازم ہے کہ مجھ پر اعتبار کیا جائے گا۔ اعتبار کیا جائے تو لازم ہے کہ میری بات کا یقین آئے گا۔ میری بات کا یقین کیا جائے تو لازم ہے کہ مجھ سے محبت کی جائے گی ..... یعنی نتیجہ یہ نکلتا ہے، میرا مطلب یہ ہوا کہ اگر لوگ یقین اور اعتبار رکھتے ہیں تو وہ اصلاحات پر بھی یقین رکھیں گے، یعنی کہنا چاہئے کہ وہ مسئلہ کے اصل اصول کو سمجھ لیں گے اور ایک دوسرے کو اخلاقی لحاظ سے گلے لگا لیں گے، یعنی یوں کہئے کہ ہر چیز کا فیصلہ برادرانہ کریں گے اور بنیادی طور پر حل کریں گے۔ اب دیکھئے، سیمیون ایوانووچ صاحب، آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ کیا میں نے اپنی بات واضح نہیں کر دی؟"

استیپان نکی فرووچ نے خاموشی سے بھویں اوپر اٹھائیں۔ وہ محو حیرت تھے۔

"مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ زیادہ پی گیا ہوں" سیمیون ایوانووچ نے طنزیہ انداز میں کہا "اور اس لئے بات سمجھنے کی رفتار دھیمی پڑ گئی۔ خیر، یہ ایسی کوئی بات نہیں، وقتی لغزش ہے محض۔"

ایوان ایلیچ کو سخت جھٹکا لگا۔

"ہم اسے نبھا نہ سکیں گے" استیپان نکی فرووچ نے ذرا غور کر کے ایک دم کہا۔

"کیا مطلب آپ کا کہ نبھا نہ سکیں گے؟" ایوان ایلیچ نے استیپان نکی فرووچ کے ناگہانی اور بے موقع ریمارک پر حیران ہو کر سوال کیا۔

"بس یہی کہ برقرار نہ رکھ سکیں گے ہم" استیپان نکی فرووچ معلوم ہوتا تھا کہ اپنے جملے کی آگے وضاحت کرنے کو آمادہ نہیں ہیں۔

"کہیں آپ کا اشارہ نئی شراب اور نئی شراب کی مشکوں (۲) کی طرف تو نہیں ہے؟" ایوان ایلیچ نے ذرا تمسخر کا رنگ لئے ہوئے اپنے میزبان کو چھیڑا۔ "جی نہیں جناب، میں اپنی بات کی وضاحت خود کر لوں گا۔"

اتنے میں گھنٹے نے ساڑھے گیارہ بجا دئے۔

"میزبان سوچتے ہوں گے کہ ہم ٹلنے والے نہیں ہیں۔" سیمیون ایوانووچ نے کہا اور یوں کسمسائے گویا کرسی سے اٹھ رہے ہوں لیکن ایوان ایلیچ نے پہل کر دی اور فوراً میز

سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی سمور کی ٹوپی آتشدان پر سے ہاتھ میں لے لی۔ وہ ذرا آزردہ نظر آ رہے تھے۔

"اچھا تو' سیمیون ایوانووچ' آپ اس پر غور کریں گے نا؟" استیپان نکی فرودچ نے اپنے مہمانوں کو باہر چھوڑتے ہوئے کہا۔

"مکان کے بارے میں' آپ کا مطلب ہے؟ جی ہاں' ضرور سوچوں گا۔"

"اور جب آپ فیصلے پر پہنچ جائیں تو جلدی سے مجھ کو بتا دیجئے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں یہ کاروباری معاملہ ہے؟" مسٹر پرا لینسکی نے ذرا لجاتے ہوئے اور اپنی ٹوپی سے کھیلتے ہوئے کہا۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ وہ دونوں ان کے وجود کو ہی نظر انداز کر گئے ہیں۔

استیپان نکی فرودچ نے اپنی بھویں اٹھائیں لیکن زبان سے کچھ نہ کہا گویا جتانا چاہتے ہوں کہ اپنے مہمانوں کو روک لینے کی کوئی خواہش نہیں رکھتے۔ سیمیون ایوانووچ نے جلدی سے اجازت چاہی۔

"بہت اچھا ..... تو جب آپ معمولی سی مروت و اخلاق کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔" مسٹر پرا لینسکی نے جی میں سوچا اور استیپان نکی فرودچ کی طرف قریب قریب برہمی سے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

ڈیوڑھی میں ایوان ایلیچ نے اپنا قیمتی اور ہلکا فرکوٹ بدن پر لپیٹا اور خیال رکھا کہ بظاہر ایسا لگے گویا سیمیون ایوانووچ کے پرانے بوسیدہ بال دار کوٹ پر ان کی نظر نہیں گئی ہے۔ پھر دونوں زینے سے اترتے لگے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ان بڑے میاں کو کچھ ناگوار گزرا" ایوان ایلیچ نے سیمیون ایوانووچ سے کہا جو خاموش چل رہے تھے۔

"نہیں صاحب! آپ کو کس بات سے یہ خیال آیا؟" انہوں نے ٹھنڈے اور اطمینان کے انداز میں جواب دیا۔

"دہقانی!" ایوان ایلیچ نے دل میں سوچا۔

وہ دونوں برساتی تک گئے۔ سیمیون ایوانووچ کی برف گاڑی' جسے سرمئی رنگ کے مریل سے گھوڑے کھینچتے تھے' سامنے آ گئی۔

"کیا نحوست ہے! کم بخت اس تری فون کے بچے نے میری گاڑی کو کیا کیا؟" ایوان ایلیچ کو جب اپنی گاڑی کہیں نظر نہ آئی تو وہ جھلا کر بولے۔

ادھر دیکھا' ادھر دیکھا' مگر گاڑی کا پتہ نہ تھا۔ استیپان نکی فروچ کے اردلی کو بھی اس کا اتہ پتہ نہ تھا۔ انہوں نے سیمیون ایوانوورچ کے کوچوان وارلام سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ صاحب کا کوچوان گاڑی سمیت سارے وقت یہیں موجود تھا لیکن اب کہیں نظر نہیں آ رہا ہے۔

"بڑی افسوس ناک بات ہے! خیر چلئے' میں آپ کو پہنچا آؤں؟" مسٹر شیپو لینکو نے کہا۔

"اوف' یہ رذیل لوگ!" مسٹر پرا لینسکی بہت بگڑ کر بولے "کسی شادی میں جانے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ کتا کہیں کا! یہیں پیٹر برگ کے محلے میں' اس کی کوئی دینی بہن ہے جس کی شادی خانہ بربادی ہو رہی ہے۔ شیطان کی مار ہو اس پر۔ میں نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ جانا نہیں ہے۔ اور اب میرا قیاس ہے کہ وہیں بھاگا گیا ہو گا!"

"یہی بات ہے صاحب! وہیں گیا ہے وہ" کوچوان وارلام بولا "منٹ بھر میں واپس آنے کو کہہ گیا تھا۔ بولتا تھا کہ جب تک صاحب باہر آئیں گے' میں وہاں ہو کر آ پہنچوں گا۔"

"ہاں' اب بولے تم! مجھے پورا یقین تھا کہ یہی ہوا ہو گا! اچھا مزا چکھاؤں گا اس کو!"

"اچھا ہو آپ اسے دو ایک دفعہ پولیس چوکی بھجوا دیجئے مرمت کرانے۔ پھر وہ آپ کے کہے پر چلے گا" سیمیون ایوانوورچ نے خود کو گاڑی کے کمبل سے لپیٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں' آپ تکلیف نہ کیجئے' سیمیون ایوانوورچ صاحب!"

"جیسی آپ کی مرضی۔ ویسے میں آپ کو پہنچا دیتا۔"

"اچھا تو خدا حافظ' (۳) merci"

سیمیون ایوانوورچ گاڑی پر سوار آگے بڑھ گئے اور ایوان ایلیچ لکڑی کے فٹ پاتھ پر پیدل چلنے لگے۔ ان کا موڈ بگڑ گیا تھا۔

"اچھا' پاجی بدمعاش' تجھے مزا چکھا دوں گا! پیدل جاؤں گا مکان تک تاکہ تجھے ذلیل کروں' تجھ کو لگے تو' خوف سے کانپے تو سہی! اب آئے گا تو پتہ چلے گا کہ مالک پیدل چلے گئے ..... پاجی کہیں کا!"

ایوان ایلیچ اس سے پہلے کبھی غصے میں یوں بے قابو نہ ہوئے تھے۔ لیکن انہیں واقعی

سخت جھلاہٹ تھی اور پھر اوپر سے سر گھوم رہا تھا۔ وہ شراب کے عادی نہ تھے، شمپین کے صرف پانچ چھ گلاس ہی فوراً ان کو چڑھ گئے۔ مگر کیا خوشگوار رات تھی۔ پالا کٹ رہا تھا لیکن خلاف معمول ہوا ساکن تھی اور ہر طرف سناٹا، مطلع صاف تھا۔ آسمان تاروں بھرا۔ زمین پر پورے چاند کی چاندنی بے آواز جھلمل جھلمل کر رہی تھی۔ ایسے میں باہر کی سیر اس درجہ راحت بخش تھی کہ ایوان ایلیچ کے دل سے کوئی پچاس قدم چل کر گرد ملال ہٹ گئی، بلکہ ایک غیر معمولی خوشگواری کا احساس چپکے سے دل میں در آیا۔ جب لوگ ذرا پئے ہوئے ہوتے ہیں تو ان پر ایک موڈ آتا ہے، ایک جاتا ہے۔ اور تو اور اس سنسان سڑک کے کنارے کنارے لکڑی کے چھوٹے موٹے خستہ حال مکان بھی دل کش نظر آنے لگے۔

"یہ اچھا ہی ہوا بہرحال کہ میں پیدل چل دیا" انہوں نے اپنے دل میں کہا "تری فون کو ایک سبق ہو جائے گا اور میرے لئے لطف و راحت کا سامان۔ مجھے ذرا اور پیدل چلنا ہو گا۔ بالشوئی پراسپکٹ(۴) پر گھوڑا گاڑی مل ہی جائے گی۔ کیا حسین رات ہے! اور ذرا ان ننھے منے مکانوں کو تو دیکھئے۔ غالباً یہی وہ جگہ ہے جہاں معمولی درجے کے لوگ بستے ہیں، کلرک ہوئے ..... شائد دوکاندار بھی ..... اوف، یہ استیپان نکی فروویچ بھی کیا آدمی ہیں! یہ سب کے سب، پرانے ڈھرے کے بڈھے، رجعت پرست! بالکل دقیانوسی، c'est le mot (۵)، پھر بھی آدمی ذہین اور ہوشیار ہیں۔ اس شخص میں وہ bon sens(۶) پائی جاتی ہے دو اور دو چار والی۔ ہر چیز کو خوب ٹھونک بجا کر دیکھ لینا۔ مگر اف توبہ، کیا بڈھے ٹھڈے لوگ ہیں! ان میں اس چیز کی کمی ہے، وہ کیا نام اس کا؟ خیر، یاد نہیں آ رہا، نہ سہی۔ بس کسی چیز کی کمی ہے ..... "ہم اسے نبھا نہیں سکیں گے!" کیا مطلب تھا ان کا اس جملے سے؟ یہ جملہ کہنے سے پہلے ذرا انہوں نے دماغ پر زور بھی دیا تھا۔ میں جانوں، جو میں نے کہا، ان کے پلے پڑا نہیں۔ کوئی بھلا اس کے سمجھے بغیر کیسے رہ سکتا ہے؟ نہ سمجھنا زیادہ مشکل ہے سمجھ لینے سے۔ بڑی بات یہ ہے کہ میں دل سے اس کا قائل ہوں، پوری طرح قائل۔ انسانیت ..... آدمی کا اپنے برادر انسانی سے محبت کرنا۔ پہلے انسانوں کو ان کی جگہ بحال کر دو ..... ان میں ذاتی وقار یا عزت نفس جگا دو اور پھر جو کچھ سردست تیار ہے اس سے کام کی ازسرنو ابتدا کرو۔ یہ اچھی خاصی صاف بات ہے میری رائے میں تو۔ جی ہاں جناب والا! بس اتنی عنایت کیجے یورا کسی لینسی کہ منطقی کلئے کو قبول کر لیجئے: آپ کسی کارکن سے ملتے ہیں،

مثال کے طور پر فرض کیجئے' کوئی کلرک ہے بے چارہ' دبا سہا- اچھا تو ..... کون ہو تم؟ جواب : میں فلاں فلاں آدمی ہوں' اس اس طرح کا ملازم- کام کرتے ہو؟ جی ہاں' کام کرتا ہوں! خوش رہنا چاہتے ہو؟ جی ہاں رہنا چاہتا ہوں- خوش قسمتی کے لئے کیا چاہئے؟ یہ بات' وہ بات- کیوں؟ کیوں کہ ..... اور ابھی میری زبان سے آدھے درجن الفاظ بھی نہ نکلے ہوں گے کہ وہ شخص میری بات سمجھ لے گا ---- اب وہ میرے ہاتھ میں ہے' یا کہئے کہ میرے جال میں پھنس گیا ہے' اور میں جو چاہوں اس کے ساتھ کروں' مطلب یہ کہ خود اس کے فائدے کے لئے- یہ شخص سیمیون ایوانچ بری طبیعت کا آدمی ہے- بہت ہی ناگوار' تھو ..... "اس کوچوان کی مرمت کرا دو!" صرف مجھے تنگ کرنے کو اس نے یہ جملہ کہا- جی نہیں- آپ مجھے بنا نہیں سکتے' خود مرمت کیجئے' میں نہیں کروں گا- میں تو اپنے کوچوان کو صرف لفظوں کی مار سے' برا بھلا کہہ کر' پیس ڈالوں گا' اس طرح کچل کے رکھ دوں گا اور اسے لگے گا بھی- آپ دیکھ لیجئے گا- رہا ڈنڈے کی مار کا سوال ..... ہونہ' یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا' جی ہاں ..... تو پھر کیا خیال ہے؟ چلا جائے میڈیموزئیل ایمرانس کے ہاں؟ اف' لعنت ہے' یہ منحوس لکڑی کا فٹ پاتھ!" ان کا قدم بہکا ہوا پڑا تو وہ چیخ اٹھے- "یہ ہے صاحب ہماری راجدھانی! نفاست' ترقی! ابھی ٹانگ ٹوٹ گئی ہوتی- ہونہ- تو یہ جو سیمیون ایوانووچ ہے' مجھ کو یہ شخص ذرا پسند نہیں' بہیمانہ خصلت پائی جاتی ہے اس میں- یہی شخص ہی ہی کرنے لگا تھا جب میں نے کہا کہ لوگ ایک دوسرے کو اخلاقی اعتبار سے گلے لگا لیں گے' اچھا' اور اگر لوگ ایسا کر لیں تو تمہارا کیا جاتا ہے؟ میں تم کو تو گلے لگانے سے رہا- اس سے تو لٹھ گنوار بہتر..... اگر مجھے گنوار ملے تو میں اس کو روک لوں گا' بات کروں گا- ٹھیک ہے کہ مجھ پر شراب چڑھ گئی تھی' ممکن ہے اپنی بات ٹھیک طرح سمجھا نہ سکا ہوں- اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی اپنی بات ٹھیک طرح واضح نہیں کر پا رہا ہوں ..... ہونہ- اب کبھی نہیں پیوں گا- اس سے ہوتا یہ ہے کہ پینے کے بعد اس وقت تو آدمی خوب کھل کر بولتا چلا جاتا ہے اور دوسرے دن سوچتا ہے کہ کیوں کہہ دیا' نہ کہا ہوتا- تاہم قدم جما کر چل تو سکتا ہوں ..... تاہم یہ سب پاجیوں کی ٹولی ہے' ان میں سے ایک ایک!"

"غرض اس طرح ایوان ایلیچ سڑک کی پٹری پر چلتے ہوئے ٹوٹے ہوئے بے ربط جملوں

میں آپ ہی آپ حجت کرتے گئے۔ تازہ ہوا کے جھونکوں نے ان کے ذہن کو نرما دیا تھا اور پانچ منٹ گزرنے کی دیر تھی کہ وہ بالکل پرسکون ہو جاتے اور نیند کی طرف طبیعت مائل ہونے لگتی۔ لیکن ابھی وہ بالشوئی پرا سپکٹ سے چند قدم کے فاصلے پر رہے ہوں گے کہ ناگہانی طور پر کہیں سے موسیقی کی آواز کان میں پڑی۔ انہوں نے چاروں طرف دیکھا۔ سڑک کے دوسری جانب ایک بہت ہی خستہ حال چوبی مکان میں' جو تھا تو صرف ایک منزلہ لیکن دور تک پھیلا ہوا' گلچھرے اڑانے کی آوازیں بلند تھیں' گٹار گھسے جا رہے تھے' سارنگی چیخ رہی تھی اور بانسری کدریل(۷) کا نغمہ بجاتے ہوئے سر سے بے سر ہوئی جا رہی تھی۔ کھڑکیوں کے سامنے چھوٹا موٹا ہجوم جما تھا جس میں زیادہ تر عورتیں تھیں' روئی کی صدریاں ڈاٹے اور سر پر رومال لگائے باندھے' اور پورا زور لگائے دے رہی تھیں کہ کھڑکیوں کی درازوں میں سے کچھ نہ کچھ تو جھانک ہی لیں۔ ظاہر تھا کہ یہاں اس جگہ بڑے مزے کا وقت کٹ رہا تھا۔ سڑک کی دوسری سمت تک ناچ کی تھاپ سنائی دے رہی تھی۔ ایوان ایلیچ کی نظر پڑی کہ ذرا فاصلے پر ایک پولیس کا آدمی موجود ہے۔ وہ اس کی طرف بڑھے۔

"کیوں بھائی' کس کا مکان ہے یہ؟" انہوں نے پولیس والے سے پوچھا اور ساتھ ہی اپنے بیش قیمت کوٹ کو اتنا کھول دیا کہ اسے سوال کرنے والے کے سینے پر اعلی رتبے کا تمغہ نظر آ جائے۔

"سرکاری ملازم ہے پسل دونی موف' اس کا مکان ہے۔ رجسٹری میں ملازم ہے" پولیس والے نے جواب دیا۔ ایک دم اس کی نگاہ اعزازی نشان پر پڑی۔ اور سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

" پسل دونی موف؟ واہ' پسل دونی موف' کیا بات ہے!..... شادی ہو رہی ہے کیا اس کی؟"

"جی ہاں یورا کسی لینسی' وہ پراوی کونسل کی بیٹی سے شادی کر رہا ہے۔ ملیکوپیتائف جو ہیں نا پراوی کونسلر ..... پہلے میونسپل کونسل میں کام کیا کرتے تھے۔ مکان بھی دلہن کے ساتھ ملنے والا ہے۔"

"اوہو' تو گویا اب یہ مکان پسل دونی موف کا ہو گیا' ملیکوپیتائف کا نہیں رہا۔"

"جی ہاں، یوراکسی لینسی، ہسل دونی موف کا ہو گیا۔ پہلے ملیکوپیتائف کا تھا اور اب ہسل دونی موف کو مل گیا۔"

"ہونہ، تو یہ بات۔ میں تم سے اس لئے پوچھ رہا تھا، بھائی، کہ میں اس کا افسر اعلی ہوں۔ جہاں پر ہسل دونی موف کام کرتا ہے اس دفتر میں جنرل ہوں میں۔"

"بہت خوب یوراکسی لینسی!" پولیس والا اور تن کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن ایوان ا یلیچ معلوم ہوتا تھا کہ اپنے ہی خیالوں میں گم ہیں۔ وہ کھڑے سوچ رہے تھے .....

ہاں تو یہ شخص ہسل دونی موف ان کے دفتر میں انہی کے محکمے میں کام کرتا تھا، اب ان کو یاد آ گیا۔ معمولی درجے کا اہلکار، تنخواہ ہو گی کوئی دس روبل ماہوار۔ مسٹر پرا لینسکی نے اس دفتر کا چارج ابھی کچھ روز پہلے لیا تھا اور اس عرصے میں دشوار تھا کہ اپنے تمام ماتحتوں کے بارے میں سب کچھ معلوم کر لیتے، لیکن ہسل دونی موف ان کے ذہن میں تھا غالباً اس کے خاص قسم کے نام کی وجہ سے ہو۔ پہلی ہی بار جب اس نام سے سابقہ پڑا تو ان کو کچھ لگا اور تبھی معمولی سے کچھ زیادہ ہی ٹوہ لینے والی نظر سے انہوں نے دیکھا تھا کہ یہ کون شخص ہے جس نے ایسا نام پایا ہے۔ اب انہیں یاد آ گیا کہ وہ ایک بہت نوعمر آدمی تھا، لمبی توتے کی سی ناک، سنہرے اور جھبرے بال، بہت دبلا پتلا جسے پوری غذا نہ ملتی ہو، وردی ابتر سے ابتر، اور ایسے "ناقابل ذکر" لوگوں میں شمار ہونے کے قابل، جو بد تمیزی کی حد تک پھٹے حالوں رہتے ہیں۔ انہیں یاد آیا کہ اس وقت پہلی نظر پر بھی یہ خیال ان کے دماغ میں گزرا تھا: اس بے چارے آفت زدہ کو کیوں نہ دس روبل کا ایک نوٹ تیوہار منانے کے لئے بخش دیا جائے جس سے کچھ اپنی حالت بھی درست کر لے۔ مگر چونکہ اس بدنصیب کی صورت ایسی تھی کہ کسی طرح طبیعت مائل نہ ہو اور منہ پر پھٹکار برستی تھی جسے دیکھ کر آدمی میں گھن کے سوا کوئی جذبہ پیدا نہ ہو اس لئے کچھ سلوک کر گزرنے کا ارادہ آپ سے آپ کافور ہو گیا اور ہسل دونی موف فیض پائے بغیر رہ گیا۔ ایوان ا یلیچ کو اور بھی حیرت تو اس بات پر ہوئی کہ یہی شخص ہسل دونی موف، کوئی ہفتہ بھر ہوا ہو گا کہ ان کے پاس شادی کی اجازت(۸) مانگنے آیا تھا۔ ایوان ا یلیچ کو یہ بھی یاد آ گیا کہ اس وقت انہیں اتنی فرصت نہ تھی کہ معاملے کی خوب جانچ پڑتال کر لیتے اور یہ شادی وادی کا قصہ انہوں نے لگے ہاتھوں روا روی میں فیصل کر دیا تھا۔ تاہم ان کو یہ بھی یاد پڑا کہ اس شادی میں ہسل دونی موف

کو لکڑی کا ایک مکان اور چار سو روبل نقدی دلہن کے جہیز میں ملنے والی تھی۔ تب بھی انہیں یہ اتفاق وقت عجیب لگا تھا۔ اور یاد آیا کہ اس پر انہوں نے کوئی چھیڑخانی کا جملہ کسا تھا کہ دیکھو دونوں ناموں کی بھی کیا جوڑی ملی ہے، دونوں اینڈے بینڈے : "ملیکوپیتائف اور بسل دوئی موف(9) اب ان کے حافظے میں بالکل صاف تصویر آ گئی تھی۔

یاد آنے سے وہ خیالات میں اور گہرے ڈوبتے چلے گئے۔ آپ جانتے ہیں کہ کبھی بڑی بڑی دلیلیں ہمارے دماغوں سے ہو کر یوں گزر جاتی ہیں جیسے بجلی کوند گئی ہو اور ان کی صرف سنسنی یا لرزش محسوس ہو کر رہ جاتی ہے، ادبی زبان کا تو ذکر کیا، معمولی زبان تک میں ان کی ادائیگی نہیں ہونے پاتی۔ بہرحال ہم کوشش کریں گے کہ اپنے ہیرو کے اس ذہنی ارتعاش کو لفظوں کی شکل دے سکیں اور پڑھنے والے کو کم از کم ان کے لب لباب سے آشنا کر سکیں جو سب سے زیادہ اہم ہیں اور قابل ادراک۔ کیونکہ ہوتا یہ ہے کہ ہمارے بہت سے ہیجان یا ذہنی ارتعاش، جب انہیں معمولی زبان کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے تو اپنا وزن کھو بیٹھتے ہیں۔ اسی لئے انہیں دن کی روشنی دیکھنا نصیب نہیں ہوتا حالانکہ ہر شخص پر گزرتے ہیں۔ ایوان ایلیچ کے یہ ذہنی ارتعاش اور خیالات کچھ بے ربط سے تھے اور ہمیں اس کی وجہ تو معلوم ہی ہے۔

"اچھا تو، اب یہ لیجئے!" ان کے دماغ میں خیال کا کوندا لپکا "ہم لوگ بس باتیں ہی باتیں بناتے ہیں، کرتے کراتے کچھ نہیں۔ جب عمل کی باری آتی ہے تو ٹھس ہو جاتے ہیں۔ اسی شخص بسل دوئی موف کو لے لیجئے مثال کے طور پر : ابھی ابھی گرجا کی محراب سے نیچے اترا ہے نکاح پڑھوا کر، جوش میں ہے، امید ہے، شادی شدہ زندگی کی مسرتوں کے ارمان دل میں لئے ہوئے ہے ...... یہ اس کی زندگی میں خوشیوں کا سب سے بڑا دن ہے ...... اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع کر رہا ہے، دعوت کا اہتمام کر رکھا ہے —— معمولی، غریبامو سہی لیکن ہے بڑے چہل پہل کی اور جھومتی جھامتی دعوت ...... اچھا، اب اگر ایسے میں، عین اسی لمحے اسے معلوم ہو جائے کہ میں میں، یعنی اس کا افسر اعلیٰ، اس کا حاکم بالا یہاں مکان کے باہر کھڑا ہوا ہوں اور گانا بجانا سن رہا ہوں! اوہو، تو کیا کرے گا وہ؟ اور اگر میں سیدھا منہ اٹھائے اندر چلا جاؤں تو کیا کرے گا؟ ...... اول تو، ظاہر ہے کہ وہ ہکا بکا رہ

جائے گا' حواس باختہ ہو کر منہ تکتا رہے گا۔ ممکن ہے کہ میں سارا کھیل ہی بگاڑ دوں' رنگ میں بھنگ ڈال دوں ..... جی ہاں یہی صورت ہوتی اگر کوئی بھی جنرل اس وقت ہسل دونی موف کے گھر میں قدم رکھ دیتا' لیکن میں نہیں۔ یہی تو بات ہے' کوئی اور یہ کر بیٹھتا ---- میں نہیں .....

"دیکھا جناب' استیپان نکی فرووچ صاحب! آپ سمجھتے نہیں ہیں میری بات۔ یہ ہے ایک مثال' آپ کی خدمت میں سردست حاضر ہے!

"ہاں تو' کہنا یہ تھا کہ ہمیشہ ہم لوگ انسانیت' انسانیت پکارتے ہیں۔ لیکن کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے یا واقعی کر دکھانے کے نااہل ہیں۔ کارنامہ انجام دینے سے مطلب کیا میرا؟ صرف اس قدر : فی الحال سوسائٹی کے جو مختلف مدارج قائم ہیں' ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں' یعنی میں بذات خود اگر آدھی رات گزر جانے پر اپنے اس ماتحت کی شادی کی محفل میں پہنچ جاؤں' یہ جو رجسٹری کے دفتر کا ملازم ہے' دس روبل مہینہ پانے والا' تو یہ کیا ہو گا؟ پاگل پن' خیالات کا قطعی بے ہنگم پن۔ یا مپئی کے آخری دن(۱۰) افراتفری! یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں گھسے گی۔ استیپان نکی فرووچ تو زندگی کے آخری دن تک نہیں سمجھ پائیں گے کہ یہ کیا ہو گیا۔ بھلا' یہ کہا انھوں نے' ہم اسے نبھا نہیں سکیں گے۔ جی ہاں' یہ ہیں آپ' کھوسٹ آدمی' اپاہج اور گزری ہوئی دنیا کی طرف منہ کئے ہوئے۔ میں اسے نبھا کر دکھا دوں گا جناب! پامپئی کے آخری دن کی دیوانگی کو اپنے ماتحت کے لئے مبارک باد کا دن بنا دوں گا' یہ عمل جو بظاہر دیکھنے میں بے وقوفی کا لگتا ہے' اچھا خاصا معقول' سرپرستانہ' بلند اور اخلاق و شرافت کا عمل بن جائے گا۔ یہ کیسے؟ ایسے! سنئے مہربانی فرما کر .....

"اچھا ..... یہ لیجئے' یوں کہئے کہ میں نے اندر قدم رکھا۔ سب کے سب سٹپٹا جاتے ہیں' ناچ رنگ بند ہو جاتا ہے' میری صورت تکنے لگتے ہیں' ایک قدم پیچھے بچک جاتے ہیں۔ بہت خوب' پھر کیا ہوتا ہے کہ میں اپنا پتہ پھینکتا ہوں : سہمے ہوئے ہسل دونی موف کی طرف سیدھا بڑھتا ہوں' لبوں پر خوش اخلاقی سے بھرپور مسکراہٹ لئے ہوئے اور انتہائی سیدھے سادے الفاظ میں کہتا ہوں : "جانتے ہو کیا ہوا؟ میں ان کے ہاں گیا تھا ہزا کسی لینسی استیپان نکی فرووچ صاحب کے ہاں۔ یہیں رہتے ہیں بالکل قریب' تمہیں شائد ان کا پتہ بھی معلوم ہو گا ....." اتنا کہنے کے بعد میں اپنے کوچوان تری فون والا واقعہ ہنسی مذاق کے رنگ

میں سناؤں گا۔ تری فون سے ہوتا ہوا اپنے پیدل چلنے کا پورا بیان سناؤں گا ..... "اچھا تو دیکھتا کیا ہوں کہ موسیقی کی آواز کانوں میں آ رہی ہے۔ پولیس والے سے ماجرا پوچھا تو پتہ چلا میرے بھائی کہ تمہاری شادی کی دھوم دھام ہے۔ جی میں سوچا' خود کیوں نہ جاؤں اپنے ماتحت کے مکان پر۔ دیکھوں تو میرے یہاں کے کلرک کیسے عیش مناتے ہیں ..... اور شادی کرتے ہیں۔ مجھے نکالو گے تو نہیں تم اپنے گھر سے؟" یہ کہوں گا۔ "مجھے نکالو گے" یہ لفظ بھی کیا عجیب رہے گا اپنے ماتحت سے کہنا۔ "نکالنے" کا لفظ کچھ جچتا نہیں ہے! میں سمجھتا ہوں کہ جسل دونی موف دیوانہ ہو جائے گا' ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے اس کے مجھے آرام کرسی پر بٹھانے کے لئے۔ خوشی کے مارے لرزہ طاری ہو جائے گا' کچھ بن نہ پڑے گا۔ اول اول تو سمجھ میں ہی نہ آئے گا کہ یہ ہوا کیا! .....

"اب بتایئے' اس سے بڑھ کر اور کیا سادگی اور عالی ظرفی کی بات ہو گی! میں اس کے گھر کیوں پہنچا؟ یہ الگ سوال ہے! یعنی کہنا چاہئے کہ معاملے کا اخلاقی پہلو ہے' اور اسی میں ساری خوبی ہے!

"ہوں ـــــ تو میں کیا بات سوچ رہا تھا؟

"ہاں ـــــ تو یہ تھا ..... کہ خیر یہ لوگ مجھ کو سب سے اہم مہمانوں کے ساتھ بٹھا دیں گے' ہوں گے کوئی پراوی کونسلر یا کوئی عزیز رشتہ دار' کوئی ریٹائرڈ کپتان' جن کی ناک لال ہو گی ..... گوگول اس قسم کے کرداروں کی کیا لاجواب تصویر کھینچتا ہے۔ اچھا جناب! یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ اس کے بعد دلہن سے میرا تعارف کرایا جائے گا۔ میں اس کی تعریف کے دو بول کہوں گا' مہمانوں کی حوصلہ افزائی کروں گا۔ درخواست کروں گا کہ وہ جھجک نہ محسوس کریں' دھوم دھڑکا جاری رکھیں' ناچ رنگ ہوتا رہے۔ چھیڑ چھاڑ کروں گا' ان لوگوں سے ہنسوں گا۔ مختصر یہ کہ شرافت کا برتاؤ کروں گا اور دل موہ لوں گا۔ جب میں اپنی ذات سے خوش ہوں تو ہمیشہ شرافت کا برتاؤ کرتا ہوں اور دل موہ لیتا ہوں۔ ہوں تو ..... خیر مگر اس وقت تو ذرا مجھ کو چڑھ گئی ہے ..... نشے میں دھت نہیں ہوں البتہ ذرا کسی قدر .....

"..... قدرتی بات ہے کہ ایک شریف آدمی کی حیثیت سے میں ان لوگوں کے ساتھ برابر والوں کا سا برتاؤ کروں گا اور کسی صورت میں بھی خاص امتیاز کا طلب گار نہ ہوں گا

..... رہا اخلاقی برتری کا سوال، اخلاقی برتری کا تو وہ دوسری بات ہے : یہ لوگ میرے عمل کو سمجھیں گے اور اس کی قدر کریں گے ..... میرا عمل ان کے نفوس کی عظمت کو باہر لے آئے گا ..... ہاں تو پھر میں کوئی آدھ گھنٹے ـــــ گھنٹہ بھر سہی، ان کے یہاں ٹھیروں گا، اور رات کے کھانے کا وقت ہوتے ہوتے اٹھ کھڑا ہوں گا۔ وہ لوگ بہت ہاتھ پاؤں پٹکیں گے، منت سماجت کریں گے، سر سجدے میں ٹیک دیں گے، مگر نہیں، میں صرف ایک جام لوں گا، انہیں شادی کی مبارک باد دوں گا اور کھانے کے لئے رکنے سے انکار کر دوں گا۔ کہہ دوں گا "کام ہے" اور جیسے ہی یہ لفظ "کام ہے" میرے منہ سے نکلے گا، سب کے چہرے احترام سے بھاری پڑ جائیں گے۔ اور "کام" کا حیلہ دراصل میری طرف سے ایک اشارہ ہو گا اس بات کا کہ تم میں اور مجھ میں بڑا فرق ہے۔ دنیا میں جتنا بھی فرق ہو سکتا ہے وہ ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ میں خود ان پر یہ اثر ڈالنا چاہتا ہوں، لیکن ہے یہ ضروری ..... اخلاقی اعتبار سے بھی ضروری ہے چاہے کوئی کچھ بھی کہے۔ لیکن میں مسکرا دوں گا، بلکہ شائد زور سے ہنس پڑوں اور سر سے ہر ایک کھل جائے گا ..... چلتے وقت دلہن سے پھر کوئی چھیڑ چھاڑ کر دوں گا۔ ہوں تو معلوم ہے کیا کہوں گا : اشارے میں کہوں گا کہ دیکھو جی، اب سے ٹھیک نو مہینے بعد میں پھر آنے والا ہوں یہاں دینی باپ کی حیثیت سے۔ ہی، ہی، ہی! اس میں شک بھی کیا ہے، یہ لڑکی ٹھیک وقت پر اپنا نتیجہ پیش کر دے گی۔ یہ لوگ خرگوشوں کی طرح بچوں پر بچے دیتے چلے جاتے ہیں۔ جی ہاں، اس پر سب کے سب قہقہے ماریں گے اور دلہن شرم سے سرخ ہو جائے گی۔ میں بہت پیار سے اس کے ماتھے پر بوسہ دوں گا، بلکہ دعائیں بھی دوں گا اور ..... اور کل دیکھنا کہ سارے دفتر میں میری اس خاطرداری کی دھوم مچے گی۔ کل بھی میں اسی طرح کڑا رہوں گا، ویسا ہی نپا تلا برتاؤ کروں گا، اسی طرح کڑا پن برتوں گا درحقیقت، لیکن اب ہر شخص کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں۔ وہ لوگ میری اندرونی خصلت جان چکے ہوں گے، ان کے دلوں میں میری قدر پیدا ہو چکی ہو گی۔

"افسر کی حیثیت سے ہمارے صاحب سخت آدمی ہیں لیکن انسان کی حیثیت سے فرشتہ سیرت ہیں!" سب کی زبان پر یہ کلمہ ہو گا۔ چنانچہ میری فتح ہو چکی ہو گی۔ ایک خفیف سا عمل، جو کبھی آپ کے دماغ میں نہ آتا، میں اس کی بدولت چھا جاؤں گا۔ اب سب کے

سب میرے ہوں گے۔ میں ان کا باپ، وہ میرے بچے ..... اب ذرا یوراکی لینی استیپان نکی فرودچ صاحب! ملاحظہ فرمایئے۔ آپ ایسا کچھ کر کے دکھا سکتے ہیں کیا؟ .....

"..... آپ اندازہ کر سکتے ہیں، سوچ سکتے ہیں کیا کہ کل پسل دونی موف اپنی اولاد سے کہے گا کہ کس طرح جنرل صاحب تمہارے باپ کی شادی میں شریک ہوئے تھے اور انہوں نے یہاں شراب پی تھی! پھر یہ بچے اپنے بچوں سے کہیں گے اور ہوتے ہوتے پوتوں پر پوتوں تک پہنچے گی، ایک لطیفہ بن جائے گا جس پر افسانوی رنگ چڑھا ہو گا کہ کس طرح ایک بڑے افسر نے جو اسٹیٹسمین (مدبر) بھی تھا (اس وقت تک تو دونوں حیثیتیں مجھ کو حاصل ہو چکی ہوں گی) ان کے باپ کی عزت افزائی کی وغیرہ، وغیرہ ..... تو گویا میں نے ایک گرے ہوئے آدمی، اخلاقی اعتبار سے گرے ہوئے آدمی کو اوپر اٹھایا اور اس کی کمر مضبوط کر دی، ایک دس روبل مہینہ پانے والے کو تشفی دے دی! ..... اسی طرح پانچ بار، یا دس بار، یا کچھ اسی طرح کا دوہراؤں تو، یہاں لوگوں میں ناموری حاصل کر لوں گا۔ سب کے دلوں پر میری چھاپ پڑ جائے گا۔ اب اگر اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے اس عام مقبولیت کے کیا کیا نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔"

غرض اس طرح یا قریب قریب اس طرح ایوان ایلیچ نے حساب جمایا۔ (حضرات، آپ ہی سوچئے، بھلا ایک آدمی اپنے دل میں کیا کیا نہیں سوچتا ہے بعض اوقات، خاص کر ایسی حالت میں جب کہ وہ ذرا پٹری سے ہٹا ہوا ہو)۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں یہ ساری اونچ نیچ ان کے ذہن میں تیزی کے ساتھ آئی اور گزر گئی۔ اس کے بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ صرف ان چھوٹے موٹے مراقبوں سے دل میں مطمئن ہو جاتے اور اپنے ذہن میں استیپان نکی فرودچ کو شرمندہ کر کے اطمینان کا سانس لیتے، پھر آرام سے گھر جا کر سونے کے لئے بستر پر لیٹ جاتے، سب کچھ خیریت سے گزر جاتی۔ لیکن ساری بدبختی اس میں ہے کہ یہ لمحہ ہی انوکھے پن کا تھا۔

تقدیر کا لکھا ہے کہ عین اسی لمحے استیپان نکی فرودچ اور سیمیون ایوانووچ کے چڑھے ہوئے منہ ان کے آتش بحال تخیل میں ابھر آئے۔

"ہم اسے نبھا نہ سکیں گے" استیپان نکی فرودچ بار بار یہی رٹ لگائے ہوئے تھے اور شفقت کے ساتھ مسکرا رہے تھے۔

"ہی، ہی، ہی!" سیمیون ایوانووچ نے اپنی نہایت بھدی ہنسی کے ساتھ بازگشت بلند کی۔

"اچھا دیکھتے ہیں، نبھا سکیں گے کہ نہیں!" ایوان ایلیچ نے ڈٹ کر جواب دیا، اور ان کے گال تمتما گئے۔ وہ فٹ پاتھ سے اتر پڑے اور جمے ہوئے قدم رکھتے ہوئے سڑک پار کر کے اپنے دفتر کے ماتحت رجسٹری کے ملازم پسل دونی موف کے گھر کی جانب بڑھنے لگے۔

کسی نحس ستارے کے اثر میں وہ دندناتے ہوئے کھلے پڑے دروازے میں سے گزرے۔ وہاں چھوٹا سا مریل لینڈی کتا پڑا تھا اس کو انہوں نے نفرت سے ٹھوکر مار دی، کتا سچ مچ دل سے نہیں بلکہ یوں ہی دکھاوے کی خاطر بھونکتا ہوا ان کے ٹخنے کی طرف لپکا۔ وہ اس سے گزر کر پٹڑے سے بنے ہوئے راستے پر سے ایک بند برساتی تک پہنچے جو احاطے میں ایسے ٹھسکی ہوئی کھڑی تھی جیسے پہرے دار کی کوٹھری ہو۔ اس برساتی میں سے لکڑی کی تین خستہ حال سیڑھیوں پر چڑھ کر وہ چھوٹے سے ڈیوڑھی میں داخل ہوئے۔ کہیں ایک گوشے میں موم بتی کا ٹرا جل رہا تھا، موم بتی نہ ہو گی تو کسی قسم کی روشنی ہو گی رات کے لئے، لیکن وہ ایوان ایلیچ کو ٹوک نہ سکی اور ان کا بایاں پاؤں، جوتے اور جوتا پوش سمیت بھڑ سے ایک برتن میں جا دھنسا جس میں گوشت کی جیلی باہر ٹھنڈی ہونے رکھی ہوئی تھی۔ ایوان ایلیچ جھکے اور انہیں جستجو ہوئی کہ یہ کیا بلا ہے۔ دیکھا کہ دو اور پلیٹیں بھی رکھی ہیں جن میں مصالح یا کوئی اور چیز رکھی ہوئی ہے اور ساتھ ہی دو سانچے تھے جن میں غالباً دودھ اور جلاٹین کی کھیر جمانے رکھی تھی۔ ایک لمحے کو تو وہ کم بخت گوشت کی جیلی پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رہ گئے اور "آنا" فانا" ان کے دماغ میں یہ خیال دوڑا کیسا رہے کہ یہیں سے ابھی الٹے پاؤں لوٹ چلوں؟ لیکن فیصلہ کیا کہ نہیں اب لوٹ جانا بزدلی ہو گی۔ خود کو سمجھا کر کہ کسی کی نظر نہیں پڑی ہے اور ان کی ذات پر شبہ کرنے کا گمان تک نہیں ہے، جلدی سے انہوں نے اپنا جوتا پوش صاف کر ڈالا تاکہ اس سے کہیں پتہ نہ لگ جائے اور ٹمدا منڈھے ہوئے دروازے کی طرف ٹٹول کر قدم بڑھایا۔ دروازہ کھولا اور خود کو ایسے پہلے کمرے میں پایا جو کسی مکان میں جانے کے لئے تنگ سے تنگ ہو سکتا تھا۔ اس داخلے کا آدھا حصہ تو سچ مچ اوور کوٹوں، چوغوں، لبادوں، ٹوپوں اور زنانی ٹوپیوں، مفلروں اور جوتا

پوشوں کے ڈھیر سے ٹھاٹھس بند تھا اور ایک پٹ پر گانے بجانے والے ڈٹے بیٹھے تھے: دو گٹارئے، ایک بانسری والا، اور ایک ڈبل باس والا، ملا کر چار آدمی۔ یوں ہی کہیں راستے سے پکڑ لئے ہوں گے۔ بے رنگ روغن کی ایک چیڑ کی میز پر ان کی چوکی جمی تھی اور اس پر اکلوتی موم بتی جل رہی تھی۔ یہ لوگ بڑی محنت سے کدریل کی آخری دھن نکال رہے تھے۔ دوسرے کمرے میں جو دروازہ کھلا ہوا تھا اس سے ناچنے والے نظر آ رہے تھے گرد و غبار، تمباکو کے دھوئیں اور جھاگوں کے دھندلکے میں لپٹے ہوئے۔ بے تحاشا قسم کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ قہقہے، چیخ پکار، عورتوں کی باریک چخ چخ، کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ نوجوان ایسے دھما چوکڑی مچا رہے تھے جیسے سواروں کا دستہ اتر آیا ہو۔ اس میدان حشر کے شور و غوغا کے درمیان میں مجلس کے احکام کی آواز بلند تھی، جو معلوم ہوتا تھا کہ انتہائی بے تکلف ہیں اور ہنگامے کی زد سے بے نیاز: "مہربانی کر کے جوانوں آگے بڑھو، خواتین پہلے، قاعدے کے حساب سے!" وغیرہ وغیرہ۔ ایوان ایلیچ نے ہانپتے کانپتے اوور کوٹ کا بوجھ ہلکا کیا اور جوتا پوش نکال کر الگ ڈالا اور ہاتھ میں ٹوپی لئے کمرے میں داخل ہوئے۔ اب ان کے دماغ میں بحث و حجت کا کوئی شائبہ نہ تھا۔

شروع میں تو ان پر کسی کی نظر تک نہ پڑی: تمام حاضرین کدریل کو آخر تک ناچنے میں محو تھے۔ جنرل صاحب یوں کھڑے رہے جیسے بھونچکے ہو گئے ہوں اور انہیں اس افراتفری میں کچھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ زنانے لباس اور ان کے ساتھ نوجوان دانتوں میں سگرٹ دبائے چکر پر چکر کاٹتے چلے جاتے تھے ..... آسمانی رنگ کا ایک دوپٹہ، جو کسی عورت کے گلے میں لٹک رہا تھا برابر سے چکر کاٹتا ہوا گزرا اور ایوان ایلیچ کی ناک کے سرے کو رگڑتا ہوا نکل گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے دیوانگی کی حالت میں ڈاکٹری کا ایک طالب علم لپکا جس کے بال پریشان تھے اور وہ ایوان ایلیچ کو زور سے دھکا دیتا ہوا بڑھ گیا۔ گرجا گھر کے کھمبے جیسا ایک لمبا افسر، اس چکر میں برابر سے گزر گیا۔ کوئی زور سے پکارا: "ہا۔ ہسل دی، پیارے!" یہ آواز بڑی باریک چیخ کی سی تھی اور غیر قدرتی تھی۔ پکارنے والا بھی جھونکے کی طرح دوسروں کے قدم بقدم، دھپ دھپ کرتا نکل گیا۔ ایوان ایلیچ کے قدموں کو کمرے کا فرش چپچپا لگا، شائد اس پر موم کی پالش کی گئی ہو گی۔ کمرے میں کوئی تیس کے قریب مہمان بھرے تھے، اور کمرہ بھی اچھا خاصا بڑا سا تھا۔

ایک منٹ گزرا ہو گا کہ کدریل ناچ تمام ہو گیا' اور وہ جو ایوان ایلیچ کے ذہن میں تھا' وہ جو انہوں نے تصور کیا تھا' مکان میں داخل ہونے سے پہلے' آن کی آن میں وہی نقشہ پیش نظر تھا۔ سارے مہمانوں اور ناچنے والوں میں ایک قسم کی گنگناہٹ اور عجب طرح کی کھسرپھسر پھیل گئی' حالانکہ ابھی ناچنے والوں کا دم پھولا ہوا تھا اور ابھی وہ چہروں سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔ تمام آنکھیں' تمام چہرے تیزی سے نووارد مہمان کی طرف گھوم گئے۔ ایک لمحے بعد سب کے سب پیچھے دب گئے اور جنھوں نے اب تک نووارد مہمان کی طرف دھیان نہیں دیا تھا ان کے دامن پکڑ کر کھینچنے اور ادب سے رہنے کا اشارہ کرنے لگے۔ انہوں نے بھی نظریں گھمائیں اور باقیوں کے ساتھ وہ بھی فوراً پیچھے کو سرک گئے۔ ایوان ایلیچ ابھی تک کمرے کے دروازے ہی میں کھڑے تھے اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا تھا کہ ان کے اور باقی مہمانوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ خالی جگہ چھوٹتی گئی' جہاں فرش پر مٹھائی کی گولیاں لپیٹنے کے بے شمار چکنے کاغذ' پھٹے پرچے اور سگرٹ کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ اتنے میں ایک نوجوان جو سرکاری وردی کا فراک کوٹ پہنے تھا اور جس کے سنہرے جھبرے بال چاروں طرف پریشان تھے اور ناک توتے کی سی چونچدار تھی' دبا سہا اس خالی جگہ میں نمودار ہوا۔ وہ کاندھے جھکائے ہوئے اور اتفاقیہ مہمان کو ٹھیک ایسی نظروں سے تکتا ہوا آگے بڑھا جیسی نظروں سے کتا اپنے مالک کو تکتا ہے جب اس کے منہ پر ٹھوکر مارنے کو بلایا جائے۔

"سلام پسل دونی موف۔ کہو مجھے پہچانتے ہو؟ ....." ایوان ایلیچ نے کہا اور فوراً محسوس کیا کہ ان کی زبان سے بہت ہی بے وقوفی کی بات نکلی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی لگا کہ شائد عین اس وقت نہایت ہولناک حماقت ان سے سرزد ہو رہی ہے۔

"یو ---- یو ---- ر ---- راکسی لنسی! ....." پسل دونی موف منمنایا۔

"ہاں ---- تو! محض اتفاق سے تمہارے ہاں آ نکلا ہوں' بھائی۔ شائد تم خود ہی اس کا اندازہ کر لو گے ....."

لیکن پسل دونی موف بظاہر ایسے عالم میں نہ تھا کہ کسی بھی چیز کا کوئی اندازہ کر سکتا۔ وہ سامنے کھڑا دیدے کھولتا تھا' بند کرتا تھا اور بالکل اوسان خطا تھے۔

"خیر ---- میں جانوں' تم مجھے اپنے ہاں سے نکالو گے تو نہیں ..... خواہی نخواہی

مہمان کو قبول تو کرو گے ہی! ...." ایوان ا یلیچ کہتے رہے اور انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ ذہنی الجھاؤ کے مارے بے تکے پن کی حد تک کمزوری ہو گئی ہے۔ مسکرانا چاہتے ہیں مگر مسکرایا نہیں جاتا۔ وہ جو انہوں نے سوچ رکھا تھا کہ استیپان نکی فرودچ اور تری فون کا قصہ درمیان میں لگا دیں گے' اب زیادہ سے زیادہ دشوار ہوا جا رہا تھا۔ لیکن پسل دونی موف گویا صورت حال اور ابتر کئے دے رہا تھا کہ اب تک سکتے کے عالم سے نکلا نہ تھا۔ ایوان ا یلیچ کو یہ سوچ کر سخت الجھن ہوئی کہ اگر ایک آدھ منٹ اور یوں ہی معاملہ چلتا رہا تو صورت حال بالکل ہی ہاتھوں سے نکل جائے گی۔

"مجھے امید ہے کہ میں کسی لئے تو دخل انداز نہیں ہوا میں .... شائد مناسب ہو گا کہ میں چلا جاؤں!" آخر بمشکل آہستہ سے یہ الفاظ ان کی زبان تک آئے اور ہونٹوں کے داہنی طرف ذرا پھڑکن ہوئی ....

مگر اب پسل دونی موف کے ہوش و حواس ٹھکانے آ چکے تھے۔

"اوہ یوراکسی لینسی .... عزت بخشی آپ نے ...." وہ جلدی سے گھبراہٹ میں تعظیم بجا لا کر بڑبڑایا "اچھا ہو کہ آپ تشریف رکھیں ...." آخر حیرت زدگی کے بھنور سے نکل کر اس نے دونوں ہاتھوں کو جھلاتے ہوئے ایک صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ صوفے کے آگے عام طور سے جو میز لگی ہو گی وہ ناچنے والوں کے لئے گنجائش پیدا کرنے کو وہاں سے ہٹا دی گئی تھی۔

ایوان ا یلیچ نے محسوس کیا کہ ان کے دل سے بوجھ ہلکا ہو گیا ہے' اور وہ صوفے میں ڈوب گئے۔ کوئی ایک دم سے جھپٹا اور اس نے میز کو سرکا کر صوفے کے آگے کر دیا۔ ایوان ا یلیچ نے گردن گھما کر دیکھا کہ وہ اکیلے ہی صوفے پر براجمان ہیں اور باقی سب لوگ' یہاں تک کہ عورتیں بھی کھڑی کی کھڑی ہیں۔ یہ بری علامت تھی۔ لیکن ابھی وہ وقت نہ آیا تھا جب اس بات کو زبان پر لایا جاتا اور لوگوں کو ٹھوکا دیا جاتا۔ مہمان ابھی تک ان سے جھجک رہے تھے اور صرف ایک شخص ان کے نزدیک کھڑا تھا' وہی لجاجت سے دبا جھکا ہوا پسل دونی موف' جس کی نہ تو کچھ سمجھ میں آ رہا تھا اور نہ اور اس کے چہرے پر دور دور تک مسکراہٹ کا پتہ تھا۔ مختصر یہ کہ کھیل بگڑا ہوا تھا۔ اس لمحے ہمارے ہیرو جنرل صاحب کو اس قدر شاق گزر رہا تھا کہ انہوں نے اصول کی خاطر خلیفہ ہارون الرشید(۱۱) کی اسپرٹ

سے جو تصوراتی سیر سوچی تھی وہ کہیں حقیقت میں ایک عیاری ثابت نہ ہو۔ لیکن اتنے میں ایک چھوٹا سا وجود ؔسل دونی موف کے برابر میں نمودار ہوا اور جھک کر تعظیم بجا لانے لگا۔ بے انتہا خوشی کے ساتھ، نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ راحت و اطمینان کے ساتھ ایوان ایلیچ نے پہچانا کہ یہ ان کا ہیڈ کلرک ایکم پیترووچ زوبلی کوف ہے۔ دفتر سے باہر اس شخص سے اگرچہ ان کی کوئی ملاقات نہ تھی، تاہم وہ اس سے واقف تھے کہ آدمی باصلاحیت اور خاموش طینت ہے۔ ایوان ایلیچ فوراً صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایکم پیترووچ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا، صرف دو انگلیاں نہیں بلکہ پورا ہاتھ۔ اس نے بھی نہایت دلی احترام کے ساتھ ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں مین لے لیا۔ جنرل صاحب مشکل سے نکل آئے اور صورت حال سدھر گئی۔

اب اس کے بعد ؔسل دونی موف، دوسرا نہیں بلکہ کہنا چاہئے کہ تیسرا آدمی ہو کر رہ گیا۔ ایوان ایلیچ کو موقع تھا کہ وہ اپنا قصہ سیدھے سیدھے اسی ہیڈ کلرک کو سنا ڈالتے اور مجبوری کے مارے اسی کو اپنا ملاقاتی شمار کرتے اور ملاقاتی بھی کیسا کہ بالکل آپس کا اور ؔسل دونی موف بے چارہ اپنی زبان تالو سے لگائے ہوئے محض عزت و احترام کی خاطر خاموش کھڑا رہ جاتا۔ چنانچہ ادب آداب قائم ہو چکے تھے اور وقت آ گیا تھا کہ قصہ ضرور بیان کر دیا جائے۔ ایوان ایلیچ نے اندازہ کر لیا۔ انہیں یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ ہر ایک مہمان کو کسی بات کا انتظار ہے، اور یہ کہ گھر کے خاندان کے سارے لوگ بھی دونوں دروازوں پر ٹوٹ پڑے ہیں اور ایک دوسرے کے کاندھے پر جھکے ہوئے ہیں کہ ان کو دیکھ سکیں اور سن سکیں۔ بہت بری بات یہ تھی کہ ہیڈ کلرک ابھی تک اپنے گھامڑپن میں کھڑا ہوا تھا۔

"کیوں آپ، کیوں نہیں!" ایوان ایلیچ نے کہا اور صوفے پر بیدلی سے اپنے برابر جگہ کی جانب اشارہ کیا۔

"جی جی، عنایت ہے ..... میں یہاں بیٹھ جاؤں گا" یہ کہہ کر ایکم پیترووچ جلدی سے ایک کرسی پر جم گیا جو ؔسل دونی موف نے اس کے نیچے سرکانے کو آگے بڑھا دی تھی اور وہ غریب خود یوں ہی کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

"ذرا خیال تو کیجئے!" ایوان ایلیچ نے محض ایکم پیترووچ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک

ایسی آواز میں کہنا شروع کیا جس میں اگرچہ ابھی لرزش باقی تھی' تاہم بے تکلفی اور روانی پائی جاتی تھی- انہوں نے چبا چبا کر الفاظ ادا کئے' حروف پر خوب زور دے کر' الف کی آواز کو ذرا موڑ کر اور اس انداز میں' جیسا کہ انہیں خود دل میں اعتراف تھا کہ بات کرنے میں کافی رکھ رکھاؤ اور تکلف موجود تھا- یہ ان کی مجبوری تھی- کوئی بیرونی طاقت انہیں اس طرح کے برتاؤ پر مجبور کر رہی تھی- انہیں اس لمحے بے حد شدید احساس ہو رہا تھا اور احساس کا حاصل تھا دلی کرب-

"ذرا خیال تو کیجئے' میں ابھی استیپان نکی فرووچ کے ہاں سے آ رہا ہوں- آپ نے شائد ان کا نام سنا ہو گا ــــــ پراوی کونسل کے ممبر ہیں- اس کمیشن میں ہیں وہ ....."

ایکم پیترووچ نے احترام کی خاطر اپنا سارا بدن جھکا دیا گویا زبان حال سے کہہ رہا ہو: "ہاں صاحب! بھلا' ان کا نام نامی کس نے نہ سنا ہو گا!"

"اب وہ تمہارے پڑوسی ہو گئے ہیں-" ایوان ا یلیچ آداب مجلس کے خیال سے سل دونی موف کی طرف متوجہ ہو کر بولے اور یہ بھی جتانا چاہتے تھے کہ دیکھو میں بے تکلفی برت رہا ہوں- لیکن جب سل دونی موف کی آنکھوں میں انہوں نے پڑھا کہ اسے اس قصے سے کوئی دل چسپی نہیں ہے' تو وہ ایک دم مڑ گئے-

"آپ کو معلوم ہے' ہمارے بڑے میاں کو عمر بھر تمنا رہی کہ اپنا ایک مکان خرید لیں ..... خیر' تو اب خرید لیا انہوں نے مکان اور کیا عمدہ پیارا سا گھر ہے- جی ہاں ..... آج اتفاق سے ان کی سال گرہ تھی- اور آپ جانئے کہ پہلے کبھی انہوں نے اپنی سال گرہ نہیں منائی بلکہ اور الٹا ہم سے چھپاتے ہی رہے- پوچھا بھی تو صاف اڑا گئے کنجوسی کے مارے' ہی ــــــ رہی! لیکن اب کی بار وہ اپنے نئے مکان کی خوشی میں اس قدر جھومے ہوئے تھے کہ مجھے اور سیمیون ایوانووچ صاحب کو' آپ جانتے ہوں گے شیپولینکو صاحب کو' انہیں اور مجھے دعوت دے دی-"

ایکم پیترووچ پھر ناقابل بیان اشتیاق کے ساتھ ادب سے جھکا- ایوان ا یلیچ ذرا مگن ہو گئے- انہیں اندیشہ ہو چلا تھا کہ یہ آدمی بھانپ گیا ہے کہ مجھے فی الحال اس کی سخت ضرورت ہے- اس سے بڑھ کر اور کیا بری بات ہوتی-

"ہاں تو ہم تین آدمی تھے ان کے ہاں- میز پر شمپین رکھی تھی- کام کی بات ہو رہی

تھی ...... آپ جانئے' ایک بات' دوسری بات ...... طرح طرح کے سوال ...... بلکہ اور تو اور' ایک بحث چھڑ گئی ...... ہی ہی!"

ایکم پیترووچ نے احترام و عقیدت کے ساتھ بھویں اوپر اٹھائیں۔

"لیکن اصل بات یہ نہیں تھی۔ آخر' میں نے ان سے اجازت چاہی۔ بڑے میاں اپنے رہن سہن میں بڑے پابند اوقات ہیں۔ سر شام آرام کرنے کی عادت ہے۔ جانتے ہیں' اس بڑھاپے میں یہ حال ہے۔ میں ان کے مکان سے باہر نکلا ...... کوچوان تری فون غائب! سخت الجھن ہوئی۔ پوچھا: "تری فون گاڑی کہاں لے گیا؟" معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سوچ کر کہ میں دیر سے اٹھوں گا' کسی اپنے ہوتے سوتے کی' ممکن ہے یار آشنا ہو' ممکن ہے نہیں ہو' خدا جانے کون ہے' اس کی شادی میں چلا گیا ...... یہیں کہیں پیٹر برگ کے محلے میں۔ اور اس پر طرہ یہ کہ گاڑی بھی اپنے ساتھ لے گیا۔" پھر جنرل نے بسل دونی موف کو حسن اخلاق کی خاطر دیکھا لیکن وہ ان کی نگاہ کے بوجھ تلے پس کر رہ گیا۔ جنرل یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا مخاطب یوں پیش آئے۔ "نہ سچ مچ کی دل بستگی ہے' نہ دل۔" ان کے دماغ میں ایک دم خیال دوڑا۔

"بجا فرمایا!" ایکم پیترووچ بول اٹھا۔ وہ سخت حیرت زدہ تھا۔ ہجوم میں ایک سرے سے دوسرے تک حیرانی کی گنگناہٹ دوڑ گئی۔

"ذرا میری حالت ملاحظہ فرمایئے ......" (ایوان ایلیچ نے سر جوڑے مہمانوں کی طرف ایک نگاہ پھینکی) "اور کیا ہو سکتا ہے۔ چلو' پیدل چلتا ہوں۔ بالشوئی پراسپکٹ تک جاؤں گا' میں نے سوچا اور وہاں سے گھوڑا گاڑی مل جائے گی۔ ہی' ہی!"

"ہی ہی' ہی!" ایکم پیترووچ نے بھی احتراماً اپنی ہنسی ملا دی۔ پھر ہجوم میں گنگناہٹ ہوئی۔ اس بار معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں نے مزا لیا۔ عین اسی لمحے دیواری بریکٹ میں رکھے ہوئے ایک لیمپ کی چمنی بھڑاق سے پھٹ گئی۔ کوئی اس پر ایک دم تیزی سے لپکا۔ بسل دونی موف چونک پڑا اور اس نے لیمپ کو گھور کر دیکھا لیکن جنرل نے ادھر کوئی توجہ نہ کی اور ہر شخص نے اطمینان کا سانس لیا۔

"چلا میں آگے ـــــ دیکھتا ہوں کہ واہ کیا خوب رات ہے' پرسکون۔ اتنے میں کہیں سے موسیقی کی آواز آئی' پیروں کی تھاپ' لوگوں کا ناچ۔ پولیس والے کے پاس گیا' پتہ چلا

کہ پسل دونی موف کی شادی ہو رہی ہے۔ اچھا' تو یہ بات ہے بھائی' تم چاہتے ہو کہ شہر میں اس علاقے کی ساری آبادی کو معلوم ہو جائے کہ ناچ رنگ کی دھوم مچا رہے ہو۔ ہا ہا!" ایک دم وہ پسل دونی موف کی جانب مڑے۔

"ہی' ہی' ہی! بہت خوب! ....." ایکم پیترووچ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مہمانوں میں پھر ایک لہر دوڑی۔ لیکن سب سے زیادہ الجھن ڈالنے والی بات یہ تھی کہ پسل دونی موف اگرچہ پھر تعظیم بجا لانے کو جھکا تاہم مسکرایا تک نہیں گویا آدمی نہیں لکڑی کا ٹھنٹھ ہو۔

"کہیں احمق تو نہیں ہے؟" ایوان ایلیچ نے سوچا "اگر مسکرا ہی دیتا گدھا کہیں کا تو ہمارا بیڑا پار لگ جاتا۔" جنرل کے دل میں بے قراری مچلنے لگی "ہاں تو میں نے جی میں سوچا' کیوں نہ چلا چلوں اور اپنے ماتحت سے مل لوں۔ میرا قیاس ہے کہ اپنے گھر سے نکالے گا تو نہیں ..... چاہے' نہ چاہے لیکن مہمان کو قبول تو کرے گا ہی! معاف کرنا بھائی' اگر میرے آنے سے خلل پڑا ہو تو میں چلا جاتا ہوں ..... میں تو بس یوں ہی کھڑے کھڑے آ گیا تھا ....."

لیکن رفتہ رفتہ مہمانوں میں حرکت کے آثار پیدا ہوئے۔ ایکم پیترووچ نے اپنے اوپر وجد سا طاری کر لیا گویا کہنا چاہتا ہو: "واہ جناب والا' آپ بھی کیا فرماتے ہیں۔ آپ اور خلل ڈالیں بھلا؟" تمام مہمان جاگ اٹھے اور ان میں اطمینان اور دل جمعی کی علامتیں نظر آنے لگیں۔ قریب قریب ساری عورتیں بیٹھنے لگیں۔ حالات کے موافق ہونے کی یہ علامت تھی۔ ان میں جن کا ہیا ذرا کھلا ہوا تھا اپنے اپنے رومال ہلانے لگیں۔ ایک تھی جو ملے جلے مخمل کا گاؤن پہنے تھی اس نے جان بوجھ کر بلند آواز میں کوئی جملہ کہا اور جس افسر کو اس کی بات کا جواب دینا تھا وہ اور بھی اونچے آواز میں نہیں بول رہا' اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ مردوں نے' جن میں اکثر یا تو کلرک تھے' یا طالب علم' ایک دوسرے کو نگاہ بھر کے دیکھا گویا وہ آپس میں اشارہ کر رہوں کہ فکر نہ کرو' اطمینان سے اٹھو بیٹھو' چنانچہ کوئی کھانسنے لگا' اور کسی نے دو ایک قدم ادھر ادھر بڑھائے۔ واقعہ یہ ہے کہ اب کوئی جھجک نہیں رہا تھا مگر سب کو الجھن ہو رہی تھی اور ان میں سے اکثر کے دل میں تو بغض بھر گیا تھا اس شخص سے جس نے نازل ہو کر رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ افسر کو اپنی بزدلی پر جھینپ سوار ہوئی تو وہ آہستہ آہستہ میز کی طرف کھسکنے لگا۔

"ہاں تو' سنو' میرے بھائی۔ اجازت ہے نا تمہارا اور تمہارے والد صاحب کا نام دریافت کر سکوں؟" ایوان ایلیچ نے بسل دونی موف سے سوال کیا۔

"میرا نام پورفیری پیترووچ ہے' یوراکسی لینسی" اس نے جواب دینے کو تو دے دیا لیکن آنکھیں نکلی پڑتی تھیں اور لفظ منہ سے اس طرح پھوٹے جیسے قواعد پریڈ کے وقت پھٹ سے جواب دیا جاتا ہے۔

"کیا تم مجھے اپنی دلہن سے نہیں ملاؤ گے' پورفیری پیترووچ؟ ..... مجھے اس کے پاس تک تو لے چلو ..... میں ....."

یہ کہہ کر انہوں نے یوں پہلو بدلا گویا اٹھنے والے ہوں لیکن بسل دونی موف سر پر پاؤں رکھ کر ڈرائنگ روم کی طرف دوڑا۔ دلہن یوں تو برآمدے میں کھڑی تھی لیکن جیسے ہی اپنا تذکرہ کان میں پڑا وہ چھپ گئی۔ منٹ بھر بعد بسل دونی موف اسے ہاتھ تھامے ہوئے لے آیا۔ ہر ایک نے ان دولہا دلہن کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ ایوان ایلیچ نہایت رکھ رکھاؤ سے اٹھے اور خوش اخلاق تبسم لبوں پر لئے ہوئے اس کی طرف رجوع ہوئے :

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ بہت بہت!" انہوں نے رئیسانہ شان سے سر کو ذرا خم کر کے کہا "خاص طور پر آج کے جیسے دن ....."

وہ عیاری سے مسکرائے اور عورتوں میں ایک خوشگوار لہر دوڑ گئی۔

(۱۲) Charmant! مخملی گون والی خاتون کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

دلہن بالکل ہی بسل دونی موف کے جوڑ کی تھی۔ دبلی پتلی چھوٹی سی لڑکی' عمر بھی سترہ سے زیادہ نہ ہو گی۔ زرد رو' چھوٹا سا چہرہ اور چھوٹی سی نوکدار ناک۔ اس کی چیان سی آنکھیں جلدی جلدی پھڑک رہی تھیں اور ان میں بدمزگی کا احساس نام کو نہیں تھا بلکہ اس کے برخلاف دیکھنے سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان آنکھوں میں تیزی ہے ذرا خباثت لئے ہوئے۔ ضرور ہے کہ بسل دونی موف نے اسے اس کی شکل صورت کی وجہ سے چنا ہو گا۔ گلابی سائے پر اس نے سفید ململ کا لباس پہن رکھا تھا۔ گردن پر رگیں ابھری ہوئی تھیں' بدن چڑیا کا سا تھا اور ہڈیاں بہت نمایاں تھیں۔ جنرل صاحب کی سلام دعا کے جواب میں اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔

"اچھی خاصی خوب صورت لڑکی ہے!" جنرل نے زیر لب کہا گویا صرف بسل دونی

موف کو سنانا چاہتے ہوں لیکن آواز اتنی بلند رکھی کہ دلہن بھی سن پائے۔ مگر پسل دونی موف نے اس بات کا بھی کوئی جواب نہ دیا اور اس بار وہ ادب سے جھکا بھی نہیں۔ ایوان ایلیچ کو خیال گزرا کہ اس شخص کی آنکھوں میں کوئی روکھا پن اور خفیہ بات دبی نظر آتی ہے، کوئی ایسی بات جس میں ناپ تول اور شیطنت پائی جاتی ہے۔ کچھ بھی سہی، اس کے دل کو چھونا تو ضرور چاہئے، بہرحال ایوان ایلیچ اسی مقصد سے یہاں تک آئے تھے۔

"کیا خوب جوڑی ملی ہے اور پھر....." انہوں نے دل میں سوچا۔

وہ پھر دلہن کی جانب متوجہ ہوئے جو بالکل ان کے برابر صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن دو تین سوال جو انہوں نے کئے، ان کا جواب صرف ہوں ہاں میں ملا اور وہ بھی ایسے کہ صاف نہ سنائی دے۔

"اگر وہ ذرا شرماتی ہوئی لگتی تو میں اس سے چھیڑ چھاڑ بھی شروع کرتا۔" جنرل نے دل میں کہا "ظاہر ہے کہ موجودہ صورت میں تو عجب بلا میں پھنس گیا ہوں۔" اب ایکم پیترووچ بھی گویا انہیں چڑانے کی خاطر چپ چاپ تھا۔ اگرچہ اسے اس کی حماقت ہی کہا جائے گا لیکن کیا کیا جائے۔ کوئی چارہ نہ تھا۔

"حضرات! میں کہیں آپ کے عیش میں خلل تو نہیں ڈال رہا ہوں!" انہوں نے پورے کمرے کے لوگوں کو پکار کر کہا۔ واقعی انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ ان کی ہتھیلیاں پسیج چلی ہیں۔

"نہیں صاحب! ہرگز نہیں۔ آپ اس کی فکر نہ فرمائیں یوراکسی لینیس! ہم تو ابھی ایک منٹ میں شروع کرنے والے ہیں۔ ذرا دم لینے کو ..... رک گئے تھے۔" افسر نے جواب دیا۔ دلہن نے اس کی بات پر اپنی تسلی کا اظہار کیا۔ یہ افسر عمر میں بہت زیادہ نہ تھا اور کسی رجمنٹ کی وردی ڈاٹے ہوئے تھا۔ پسل دونی موف ابھی تک وہیں آگے کو جھکا کھڑا تھا اور اس کی چونچدار ناک اور بھی ابھری ہوئی لگتی تھی۔ وہ کھڑا ہوا سن رہا تھا اور منہ تک رہا تھا بالکل اردلی کی طرح جو ہاتھ میں اوور کوٹ لئے اس انتظار میں کھڑا ہو کہ مالک اب رخصتی تقریر ختم کر کے اٹھیں گے۔ خود ایوان ایلیچ کو یہ مشابہت محسوس ہوئی۔ اب ان کے حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے، وہ بے جوڑ پن محسوس کرنے لگے تھے، بہت بری طرح، گویا قدموں کے نیچے سے زمین سرک رہی ہو، گویا وہ ایسی جگہ آ پھنسے ہوں جہاں سے خود کو

نکال لے جانا ممکن نہ ہو گا' اور اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے رہیں گے۔

اتنے میں لوگوں نے مضبوط گٹھیلے بدن کی ایک پستہ قد عورت کو راستہ دیا۔ یہ عورت اچھی خاصی عمر کی تھی۔ اس کے لباس میں یہ جتانے کی کوئی کوشش نہیں پائی جاتی تھی کہ ہم نفاست پسندوں میں سے ہیں لیکن اپنا بہتر سے بہتر لباس زیب تن کئے ہوئے' بڑی سی شال اوڑھے' جس کو گلے پر ٹانگ لیا گیا تھا۔ ایک ٹوپی لگائے جس کی وہ' صاف لگتا تھا کہ عادی نہیں ہے۔ ہاتھوں میں ایک چھوٹی سی گول ٹرے لئے ہوئے آگے بڑھی۔ ٹرے پر ایک بوتل شمپین کی کھلی ہوئی' جسے ابھی کسی نے چھوا نہیں تھا اور گنے ہوئے دو گلاس۔ نہ کم نہ زیادہ۔ ظاہر تھا کہ یہ بوتل صرف دو مہمانوں کے لئے تھی۔

یہ پکی عمر کی عورت بڑھتی ہوئی سیدھی جنرل صاحب کے سامنے پہنچی۔

"یوراکسی لینسی! معافی کی خواستگار ہوں۔" اس نے ادب سے جھک کر کہا "جب حضور والا نے یہ نوازش فرمائی ہے کہ میرے بیٹے کی شادی میں اپنی شرکت سے رونق بڑھائیں تو عرض ہے کہ اس خوش و خرم جوڑے کی صحت کا جام پینے سے انکار نہ فرمائیں۔"

ایوان ایلیچ کو یہ عورت اپنی نجات دہندہ لگی۔ کسی صورت بھی اس کا شمار بوڑھیوں میں نہیں ہو سکتا تھا۔ ۴۵۔ ۴۶ سال سے زیادہ عمر نہ ہو گی۔ لیکن واہ' کیا نیک طینت' گلاب کے سے کھلے ہوئے گول گول روسی خدوخال تھے' کیا خوش مزاجی کی مسکراہٹ تھی اور پھر کس سادگی سے وہ تعظیم بجالائی ہے کہ ایوان ایلیچ کا دل بس باغ باغ ہو گیا اور انہیں آس بندھ گئی۔

"اچھا تو آپ ہیں اپنے بیٹے کی سرپرست؟" انہوں نے صوفے پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں سرپرست یوراکسی لینسی" پسل دونی موف منمنایا اور اس نے اپنی گردن اور آگے کو نکال لی اور ایک بار پھر ناک سامنے بھی آئی۔

"اوہ' آپ سے تعارف حاصل کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ بہت ہی خوشی!"

"کچھ نوش فرمایئے یوراکسی لینسی!"

"بے حد مسرت کے ساتھ!"

ٹرے رکھ دی گئی۔ جسل دونی موف اچھل کر بڑھا تاکہ گلاس میں شراب انڈیل دے۔ ایوان ایلیچ نے کھڑے کھڑے ایک جام لے لیا۔

"میں انتہا سے زیادہ خوش ہوں۔ حد سے بڑھ کر خوش ہوں کہ مجھ کو یہ موقع نصیب ہوا۔" وہ بولے "اپنے دلی ..... اظہار ..... میں ..... ایک لفظ میں کہوں کہ افسر کی حیثیت سے، میں دل سے دعا کرتا ہوں مادام (اتنا کہہ کر وہ دلہن سے مخاطب ہوئے) اور میرے عزیز، پورفیری، تم دونوں کے لئے تمنا کرتا ہوں کہ اقبال مندی نصیب ہو اور عمر بھر ہنسی خوشی گزرے۔"

گلاس میں جو کچھ تھا، انہوں نے حلق میں انڈیل لیا۔ آج شام کے بعد سے یہ ساتواں گلاس مزے مزے میں پی گئے تھے۔ جسل دونی موف سنجیدہ اور یہاں تک کہ غمگیدہ نظر آ رہا تھا۔ جنرل کے دل میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہونے لگی اور یہ بات افسوس ناک تھی۔

"اور یہ مردود" انہوں نے افسر کو ایک نظر دیکھ کر سوچا "یہ کھڑا اینڈ رہا ہے، اتنا نہیں ہوا مردار سے کہ ہرا، یا واہ واہ کا نعرہ ہی بلند کر دیتا۔ تو پھر سب کچھ ٹھیک سے ..... ٹھیک سے چلتا ....."

"کیوں ایکم پیترووچ، آپ دولہا دلہن کے نام کی نہیں پئیں گے؟" دولہا کی ماں نے ہیڈ کلرک کی طرف متوجہ ہو کر کہا "آپ تو اس کے افسر ہیں۔ وہ آپ کا ماتحت ہے۔ میرے بیٹے پر عنایت کی نظر رکھئے گا۔ ایک ماں کی اتنی عرض ہے آپ سے اور آئندہ بھی ہم لوگوں کو بھول نہ جائیے گا، ایکم پیترووچ، آپ بہت عمدہ آدمی ہیں۔"

"یہ روس کی بوڑھی عورتیں بھی کیا خوب ہوتی ہیں" ایوان ایلیچ نے دل میں سوچا "دیکھو اس عورت نے سب میں جان ڈال دی۔ مجھے ہمیشہ لوگوں سے محبت رہی ہے۔"

عین اسی وقت دوسری تھال میز کے پاس لائی گئی۔ ایک لڑکی اسے اٹھا کر لائی جس کے بدن پر چھینٹ کا بالکل نیا لباس سرسرا رہا تھا۔ تھال اتنی بڑی تھی کہ لڑکی کے بازو اسے گھیر نہیں پاتے تھے۔ اس پر بہت سی پلیٹیں رکھی تھیں جن میں سیب تھے، مٹھائی کی گولیاں تھیں، کشمش تھی، پھلوں کے مربے تھے اور اخروٹ وغیرہ۔ اب تک یہ بھری ہوئی تھال ڈرائنگ روم میں تمام مہمانوں کے، خاص طور سے عورتوں کے سامنے لانے کو رکھی ہوئی تھی لیکن

اب وہ تنہا جنرل صاحب کو پیش کر دی گئی۔

"مجھے امید ہے کہ حضور والا ہمارے ناچیز ناشتے کو ٹھکرائیں گے نہیں" بڑی بی نے ادب سے جھک کر کہا۔ "جو کچھ خدا نے عطا فرمایا ہے' ہر حال میں اس کا شکر ہے' اور آپ کے سامنے حاضر ہے۔"

"اچھا' تو لائیے!" ایوان ایلیچ نے ایک اخروٹ اٹھا لیا اور بے لطفی سے نہیں اٹھایا' اخروٹ کو وہ انگلیوں میں لے کر توڑنے لگے۔ انہوں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ آخر تک جمہوریت برتوں گا۔

اتنے میں دلہن مسکرا دی۔

"کیوں' کیا بات ہے مادام؟" ایوان ایلیچ نے مسکراتے ہوئے سوال کیا اور اس عورت میں زندگی کے آثار دیکھ کر ان کا دل ہلکا ہوا۔

"جی' کچھ نہیں' یہ ایوان کوستن کنچ چٹکلے چھوڑتا ہے" اس نے اپنی آنکھیں جھکا کر جواب دیا۔

جنرل کی پہلے ہی نظر پڑ چکی تھی کہ ایک اجلے بالوں والا نوجوان' جسے قبول صورت کہا جا سکتا ہے' صوفے کی پشت پر آڑ کئے ہوئے موجود ہے اور مسٹر دونی موف کی بیوی سے چپکے چپکے باتیں کر رہا ہے۔ یہ نوجوان چھوکرا ذرا اٹھا۔ دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بہت جھینپ رہا ہے اور بالکل کم عمر ہے۔

"میں ان سے خوابوں والی کتاب کی بات کر رہا تھا یوراکسی لینسی" وہ کسی قدر معذرت کے سے انداز میں بدبدایا۔

"خوابوں والی کتاب کیسی؟" ایوان ایلیچ نے مشفقانہ اس سے پوچھا۔

"ایک نئی خوابوں والی کتاب(۱۳) آئی ہے۔ ادبی کتاب ہے۔ میں ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کوئی مسٹر پنا ئیف کو خواب میں دیکھ لے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ قمیض کے سامنے والے دامن پر کافی چھلکا لے گا۔"

"کیا نادانی کی بات ہے!" ایوان ایلیچ نے جھلا کر سوچا۔ نوجوان اگرچہ بولتے وقت شرم سے بالکل سرخ ہوا جا رہا تھا' تاہم اس بات پر بے حد خوش تھا کہ اپنا پنا ئیف والا قصہ وہ بیچ میں لے ہی آیا۔

"ہاں، ہاں، میں نے اس کا چرچا سنا ہے" ہزاکسی لینسی نے جواباً ارشاد کیا۔

"جی وہ نہیں، اس سے بھی ایک اچھی نکلی ہے" ایوان ا یلیچ نے بہت نزدیک سے ایک آواز بلند ہوئی "ایک نئی فرہنگ نکل رہی ہے اور کہتے ہیں کہ مسٹر کرا یُفسکی بھی اس میں ایک مضمون لکھیں گے، الفراقی اور ..... ہجو گوئی کا ادب(۱۴) ....."

یہ جملہ ایک ایسے نوجوان کی طرف سے آیا تھا جو ذرا بھی شرما نہیں رہا تھا بلکہ اس کے برخلاف چاہتا تھا کہ ذرا بے تکلفی برتے۔ یہ نوجوان دستانے اور سفید واسکٹ پہنے تھا اور ہاتھ میں ہیٹ لئے ہوئے تھا۔ اس نے ڈانس نہیں کیا لیکن ناک چڑھائے بیٹھا دیکھتا رہا۔ کیوں کہ وہ طنزیہ رسالے "دی برانڈ"(۱۵) کے اہل قلم میں سے تھا اور پسل دونی موف نے چونکہ اس کو مہمان خاص کی حیثیت سے دعوت دی تھی اس لئے وہ شادی میں اتفاق سے آ گیا تھا۔ اور اس کی آمد سے محفل میں جان پڑ گئی تھی۔ یہ نوجوان اس کے پچھلے سال کے بے تکلف ملاقاتیوں میں تھے جب سب کے سب ایک جرمن عورت کے یہاں مہمان خانے کی کوٹھریوں میں ایک ساتھ بھوکے مرا کرتے تھے۔ وودکا سے وہ ذرا پرہیز نہ کرتا تھا اور بار بار آہستہ سے ایک پچھلی کوٹھری میں پہنچ جاتا تھا جس کے داخلے کی سب کو خبر تھی۔ دیکھتے ہی جنرل کو وہ ناپسند ہوا۔

"اور مذاق یہ ہے یوراکسی لینسی کہ" ایک دم سے اجلے بالوں والے نوجوان نے بات کاٹی جو ابھی کافی چھلکانے والی بات کہہ چکا تھا اور جسے سفید واسکٹ والا جرنلسٹ ناپسندیدگی سے دیکھ رہا تھا "کہ لکھنے والا دعویٰ کرتا ہے کہ مسٹر کرا یُفسکی صحیح املا بھی نہیں جانتے اور سمجھتے ہیں کہ لفظ ہجو گوئی کو ھ، سے نہیں الف، سے لکھا جاتا ہے۔"

لیکن ابھی اس نوجوان کے منہ سے پورا جملہ بھی نہ نکلا ہو گا کہ جنرل کی آنکھوں سے ٹپکنے لگا کہ وہ یہ سب باتیں بہت پہلے سن چکے ہیں۔ خود یہی بات اس کو الجھن میں ڈالنے کے لئے کافی تھی اور وہ گڑبڑا گیا۔ بہرحال بعد میں اس نے خود کو منظر عام سے ہٹالیا اور پھر اس رات کو سارے وقت بہت ہی بجھا بجھا رہا۔ "برانڈ" رسالے کا منہ پھٹ اہل قلم کچھ قریب آ گیا۔ بظاہر وہ جنرل صاحب کے بالکل پہلو میں جم جانا چاہتا تھا۔ اس کی یہ بے تکلفی ایوان ا یلیچ کو ذرا ضرورت سے زیادہ معلوم ہوئی۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ بھئی پورفیری" انہوں نے کچھ نہ کچھ کہنے کی خاطر کہا "میں

بہت عرصے سے تم سے پوچھنا چاہ رہا تھا کہ تمہیں *سل دونی موف ہی کیوں کہتے ہیں' پسیو دونی موف کیوں نہیں کہتے؟ تمہارا نام تو پسیو دونی موف ہونا چاہیئے نا؟"

"میں حضور والا' یوراکسی لینسی اس کے بارے میں کوئی ٹھیک اطلاع فراہم نہیں کر سکتا" *سل دونی موف نے جواب دیا۔

"جب ان کے والد سرکاری ملازمت میں داخل ہوئے تو کچھ کاغذات کی گڑبڑ ہوئی ہو گی۔ چنانچہ اب وہ *سل دونی موف ہو کر رہ گئے۔ کبھی ایسا ہو جاتا ہے" ایکم پیتروورچ نے جواب دیا۔

"یہی بات!" جنرل نے زور میں کہا "بالکل یہی بات ہے!" ہاں' واقعی' آپ خود دیکھئے کہ *پیسیودونی موف ہوتا تو سمجھتے کہ یہ ادبی لفظ پسیودونیم(۱۲) سے بنا ہے۔ رہا *سل دونی موف' اس کے تو کچھ معنی ہی نہیں ہوتے' آپ جانئے۔"

"جہالت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔" ایکم پیتروورچ نے کہا۔

"کیا مطلب تمہارا جہالت سے؟"

"روسی لوگ۔ میرا مطلب ہے کہ جہالت کی وجہ سے صرف کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات ناموں کا تلفظ بگاڑ کر جیسا جی چاہتا ہے' کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر کہنا ہے اپاہج کی جگہ کہیں گے ایپاہج۔"

"اوہ' ایپاہج۔ ہی' ہی' ہی!"

"لمبر بھی بولتے ہیں یوراکسی لینسی!" لمبے قد کا افسر پھٹ سے بول پڑا جسے دیر سے فکر لگی تھی کہ میں بھی پانچویں سواروں میں گنا جاؤں۔

"لمبر سے کیا مطلب تمہارا؟"

"نمبر کی جگہ لمبر کہتے ہیں' حضور والا۔"

"واہ بھئی' نمبر کی جگہ لمبر۔ بہت اچھا رہے۔ ہی' ہی' ہی!" ایوان ایلیچ کو اس افسر کی خاطر بھی فرمائشی ہنسی ہنسنی پڑی۔

افسر نے اپنی ٹائی کس کر درست کر لی۔

"جی ہاں اور اسی طرح کہتے ہیں نخالص۔ برانڈ" رسالے کے اہل قلم نے ٹانگ اڑائی لیکن ہزاکسی لینسی نے سنا ان سنا ایک کر دیا۔ سب کی خاطر تو وہ فرمائشی ہنسی ہنسنے سے

رہے۔

"خالص کی جگہ نخالص بولتے ہیں" اس نے کھلی ناگواری کے ساتھ اپنی بات پر اصرار کیا۔

ایوان ایلیچ نے اس پر سخت نگاہ ڈالی۔

"تم کو کیا پڑی ہے؟" ٹسل دونی موف نے رسالے میں لکھنے والے نوجوان سے دبی آواز میں پوچھا۔

"میں صرف باتیں کر رہا ہوں۔ کیا بات بھی نہیں کر سکتا میں؟" اس نے دبی آواز میں ہی جواب دیا۔ لیکن زبان بند کئے کئے وہ اٹھا اور کمرے سے درپردہ ناگواری کے ساتھ سرک گیا۔

وہ سیدھا اسی پچھلے کمرے میں گیا جو کشش کا باعث تھا اور جہاں دو قسم کی وودکا رکھی تھی، نمکین ہیرنگ مچھلی تھی، مچھلی کے انڈوں کی ٹکیاں، تیز شیری کی ایک بوتل نیشنل تہہ خانے کی نکلی ہوئی۔ جب دعوت شروع ہوئی تھی، اسی وقت یہ سب سامان ایک چھوٹی سی میز پر یروسلاول کی مشہور کشیدہ کاری کے میزپوش سے ڈھک کر لگا دیا گیا تھا تاکہ ناچنے والوں میں جو مرد شامل ہیں ان کی ضیافت طبع ہوتی رہے۔ وہ ابھی دل میں طیش کی آگ لئے ہوئے کچھ وودکا اپنے جام میں انڈیل ہی رہا تھا کہ اتنے میں الجھے ہوئے بالوں والا ڈاکٹری کا طالب علم جھپاک سے داخل ہوا۔ یہ نوجوان ٹسل دونی موف کے یہاں کی ناچ محفل میں سب سے عمدہ ڈانسر تھا اور کن کن ناچ بھی جانتا تھا۔ اس نے شیشے کی صراحی بے صبری سے تھام لی۔

"پھر شروع کرنے والے ہیں!" وہ اپنے جام میں جلدی سے الٹتے ہوئے بولا "آؤ، دیکھو! میں ہاتھوں پر سولو ناچ دکھانے والا ہوں اور کھانے سے نمٹ کر مچھلی ناچ(۱۷) کر ڈالنے کی بھی ہمت کر جاؤں گا۔ یہ شادی کے موقع کے لئے بہت ہی مناسب رہے گا۔ کہنا چاہئے کہ ٹسل دونی موف کو ایک طرح کا دوستانہ اشارہ ہو جائے گا۔ کلیوپترا سیمینونا، بڑی پیاری عورت ہے، اس کے ساتھ جو چاہو کھیل جاؤ۔"

"قدامت پرست ہے یہ شخص" مضمون نگار نے اپنا جام تمام کر کے بجھے دل سے جواب دیا۔

"کون ہے قدامت پرست؟"

"ارے، یہی شخص جس کے آگے انہوں نے ساری کی ساری مٹھائی لا کر رکھ دی۔ قدامت پرست آدمی ہے میں بتائے دیتا ہوں!"

"تمہیں کیا، اپنا کام کئے جاؤ" طالب علم بدبدایا اور کدریل ناچ کی گت سنتے ہی دوڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

مضمون نگار جب اکیلا رہ گیا تو اس نے ایک اور گلاس الٹا بے باکی اور آزادی کے نام پر۔ حلق میں الٹ لیا اور ناشتے کا ایک ٹکڑا لے لیا۔ اور ایوان ا یلیچ، کونسلر آف اسٹیٹ کو کبھی ایسا کٹر دشمن، ایسا شخص جو انتقام پر یوں بے تحاشا تلا ہوا ہو، میسر نہ آیا ہو گا، خاص طور سے ووڈکا کے ایک دو جام چڑھا لینے کے بعد جتنا یہ اہل قلم تھا "برانڈ" رسالے کا، جس سے ہمارے جنرل کو دیکھتے ہی ناگواری ہو گئی تھی۔ افسوس، ایوان ا یلیچ کو اس قسم کا کوئی خدشہ بھی نہ تھا۔ اور پھر اوپر سے ایک اور بہت خاص صورت پیش آ گئی، جو ان کے وہم و گمان میں نہ آئی ہو گی اور مہمانوں اور ہزاکسی لینسی جنرل صاحب کے درمیان آئندہ کے تمام تعلقات پر اثر انداز ہوئی۔ اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے اپنے خیال سے ایک ماتحت کی شادی میں اپنی آمد کی صحیح اور تفصیلی وجہ بیان کر دی تھی لیکن ان کے بیان سے کسی کی بھی تسلی نہ ہوئی تھی اور مہمان ابھی تک الجھن میں پڑے ہوئے تھے۔ اور پھر اتنے میں سب کچھ بدل گیا جیسے جادو ہو گیا ہو۔ ہر شخص کو سکون ہو گیا۔ گانے بجانے کا، ہنسنے ہنسانے کا، چیخ پکار کرنے کا اور ڈانس کرنے کا ماحول بن گیا۔ گویا اتفاقیہ آ جانے والے مہمان کا وہاں وجود ہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ کیا تھی، یہ کہ افواہیں، سرگوشیاں اور لہریں یہاں سے وہاں تک پھیل گئیں جنہوں نے کسی ناقابل بیان انداز سے یہ خیال عام کر دیا کہ یہ مہمان صاحب ایک ذرا یوں ہی ..... مطلب یہ کہ پیے ہوئے ہیں۔ اور اگرچہ شروع شروع میں یہ بات بہت ہی سنگین الزام کی حیثیت رکھتی تھی لیکن رفتہ رفتہ لوگوں کے ایسے ذہن نشین ہو گئی کہ سارا مطلع ایک دم صاف ہو گیا اور ہر ایک کو غیر معمولی احساس آزادی ہو گیا۔ اور عین اسی لمحے کدریل ناچ شروع ہوا۔ رات کے کھانے سے پہلے کا یہ آخری ناچ تھا جس میں حصہ لینے کو ڈاکٹری کا طالب علم اس قدر بے قرار تھا۔

ایوان ایلیچ نے ابھی دل میں فیصلہ ہی کیا تھا کہ میں دلہن سے پھر بات کروں گا اور اس بار ان کا ارادہ تھا کہ موقعے کا کوئی ذو معنی چٹکلا چھوڑ کر وہ اس کا دل ہاتھ میں لے لیں گے لیکن اتنے میں لمبے قد کا افسر اڑا ہوا اس کے پاس آیا اور ایک گھٹنے پر تعظیم اور التجا کے ساتھ جھکا۔ دلہن ایک دم صوفے سے چھلانگ مار کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس افسر کے ساتھ اڑی چلی گئی تاکہ کدریل ناچ میں اپنی جگہ سنبھال سکے۔ افسر نے جنرل صاحب سے معذرت تک نہیں کی اور وہ بھی ایسی بن گئی کہ ایک نگاہ ان پر نہ ڈالی۔ بلکہ درحقیقت اطمینان کا سانس لے رہی تھی کہ ان صاحب سے پیچھا تو چھوٹا۔

"بہرحال یہ لڑکی اپنی حدوں میں ہی رہے گی نا۔ اور ان لوگوں کو ادب آداب کی کیا خبر" جنرل صاحب نے دل میں سوچا۔

"ہوں تو یار پورفیری، تم یوں میرے سر پر مت کھڑے ہو دست بستہ۔" انہوں نے پسل دونی موف سے مخاطب ہو کر کہا "ممکن ہے تمہیں کچھ کام دھام ہو، دیکھنا ..... بھلا نا ..... تم مہربانی کر کے میری فکر مت کرو" ("بھلا یہ آدمی اپنے خیال میں کر کیا رہا ہے کہ میرے سر پر کھڑا سنتری کی طرح پہرہ دئے جا رہا ہے" انہوں نے دل ہی دل میں یہ بات کہی۔)

پسل دونی موف کی لمبی کشیدہ گردن اور آنکھیں، جس طرح ان پر جمی ہوئی تھیں، ناقابل برداشت ہو چکی تھیں۔ مختصر یہ کہ جو کچھ پیش نظر تھا وہ ان کی منشا اور مرضی سے کوسوں دور تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ایوان ایلیچ اسے ماننے کو ذرا بھی تیار نہیں تھے۔

کدریل ناچ شروع ہو گیا۔

"آپ کی اجازت ہے یوراکسی لینسی؟" اکیم پیترووچ نے بوتل کو احترام کے ساتھ ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے دریافت کیا، وہ ان کا جام لبالب بھرنے کو بالکل تلا ہوا تھا۔

واقعی مجھے ..... ما ..... ما ..... معلوم نہیں کہ کیا ....."

ابھی وہ کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ اکیم پیترووچ ان کے جام میں شمپین انڈیلنے لگا اور اس کی صورت پر سعادت مندی کا نور برس رہا تھا۔ جام بھر چکنے کے بعد اس نے کچھ اپنے لئے بھی انڈیلی، ہاتھ کی صفائی اور چالاکی کے ساتھ، چوروں کی طرح، جسم کو مروڑتے ہوئے،

کاندھے جھٹکتے ہوئے۔ البتہ ایک فرق ملحوظ رکھا کہ اس نے اپنا جام لبالب بھرنے میں آدھے انچ کی کسر چھوڑ دی، یعنی یہ اس کے خیال میں ادب اور تہذیب کے جامے میں رہنے کی ایک صورت تھی۔ اپنے خاص افسر کے پہلو میں بیٹھا ہوا وہ یوں لگ رہا تھا گویا کوئی عورت وضع حمل میں دبی ہوئی ہو۔ بات چیت کرنے کو کچھ ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ ہزاکسی لینسی جنرل صاحب کی خاطر مدارات کرتے رہنا اس کا فرض بن چکا تھا کیونکہ ان کی صحبت کا شرف تنہا اسی کو حاصل تھا۔ شمپین نے اس کا بہانہ بھی پیدا کر دیا۔ ہاں اور خود جنرل صاحب چاہتے تھے کہ ان کے جام میں شراب انڈیلی جائے اس لئے نہیں کہ وہ خود شمپین پینا چاہتے تھے (شمپین گنگنی تھی اور اس لحاظ سے وحشیانہ بھی) بلکہ اطمینان قلب کے لئے۔

"بھلا مانس خود پینا چاہتا ہے" ایوان ایلیچ نے جی میں سوچا "اور جب تک میں نہ پیوں وہ اپنے جام میں ڈالنا بھی نہیں چاہتا۔ خیر، چلو، میں اس کی راہ کھوٹی نہیں کروں گا ..... اور پھر یہ بے ہودہ بات ہے کہ ہمارے بیچ میں بوتل موجود رہے اور پیا نہ جائے۔"

انہوں نے شمپین کی چسکی بھری اور یہ بات بھی ان کو غنیمت معلوم ہوئی بہ نسبت اس کے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔

"میں یہاں موجود ہوں" انہوں نے ذرا سرک کر اور بیچ میں جگہ چھوڑ کر لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہنا شروع کیا "میں یہاں موجود ہوں، یعنی کہنا چاہئے کہ اتفاق سے موجود ہوں۔ اب چاہئے کوئی سمجھتا پھرے کہ صاحب ..... یعنی کچھ مناسب ..... مطلب یہ کہ ذرا بے جا سا ہے میرا یہاں اس جیسے مجمع میں پایا جانا۔"

ایکیم پیتروورچ نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف دبی دبی کرید کے ساتھ سنتا رہا۔

"لیکن میرے خیال میں آپ ضرور سمجھ جائیں گے کہ میں یہاں پر کیوں موجود ہوں، حقیقت یہ ہے کہ میں کوئی پینے پلانے کی غرض سے تو آیا نہیں ..... آپ جانتے تو ہیں، ہی، ہی!"

ایکیم پیتروورچ بھی شائد ہزاکسی لینسی کا ساتھ دینے کو ہی، ہی کرتا لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ ہنس نہ سکا اور پھر اس کی وہی حالت تھی کہ فرمائشی الفاظ زبان تک نہیں آ رہے تھے۔

"تو میں یہاں موجود ہوں، مطلب یہ کہ بھئی بڑھاوا دینے کو ..... یہ دکھانے کو .....

مطلب یہ کہ صاحب، یعنی اخلاقی آدرش جتانے کو موجود ہوں" ایوان ایلیچ بولتے چلے گئے اور دل میں ایکم پیتروورچ کی کند ذہنی پر تلملا رہے تھے۔ آخر جب ان کی نظر گئی کہ یہ شخص تو اس طرح آنکھیں جھکائے لے رہا ہے جیسے خود کو مجرم سمجھتا ہو، تو وہ بھی ایک دم زبان تالو سے لگا کر بیٹھ گئے۔ جنرل نے گڑبڑا کر اپنے جام سے لگے ہاتھوں ایک اور گھونٹ بھرا اور ایکم پیتروورچ نے اس انداز سے، گویا یہی ایک نجات کی سبیل رہ گئی ہو، بوتل اٹھائی اور پھر ان کا جام بھر دیا۔

"کچھ بہت سبیل نہیں ہے تمہارے پاس" ایوان ایلیچ نے اس بدنصیب ایکم پیتروورچ پر نگاہ گرم ڈالتے ہوئے دل میں سوچا اور اس نے جب محسوس کیا کہ جنرل صاحب اسے یوں گھور کر دیکھ رہے ہیں تو ٹھان لیا کہ اب ایک لفظ بھی زبان پر نہ لائے گا اور نگاہ تک نہ اٹھائے گا۔ اسی کیفیت میں وہ ایک دوسرے کے روبرو کوئی دو منٹ اور بیٹھے رہے مگر یہ دو منٹ ایکم پیتروورچ کی جان کا عذاب بن گئے تھے۔

اب ذرا دو ایک لفظ ایکم پیتروورچ کے بارے میں کہتے چلیں۔ وہ گوسفند کی طرح سے بے زبان اور مسکین آدمی تھا پرانی وضع قطع کا، دوسروں کی تعظیم بجا لانا اس کی گھٹی میں پڑا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ مہربان کا تو خیر کیا ذکر، البتہ ایک لائق آدمی ضرور تھا۔ اصل نسل سے پیٹر سبرگ کا روسی، یعنی باپ اور دادا پردادا سب پیٹر سبرگ میں ہی پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے، اور جیتے جی اسی شہر میں رہے۔ روسیوں کی یہ ایک خاص قسم ہوتی ہے جس میں اس طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں جنہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ روس میں ہو کیا رہا ہے۔ اور اس بے خبری کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لے دے کے ان کی ساری دلچسپی پیٹر سبرگ تک محدود رہتی ہے، اول وہی، آخر وہی، اور اس شہر میں بھی مقدم وہ جگہ جہاں یہ لوگ کام کرتے ہیں۔ ان کی تمام فکریں، تمام مشغلے بس یہیں تک ہوتے ہیں کہ کوڑی پیسے کا جوا کھیل لیا، چھوٹی موٹی دوکانیں لگا لیں اور مہینے مہینے اپنی تنخواہ گن لی۔ نہ انہیں روسی رسم و رواج سے مطلب، نہ روسی گانوں سے سروکار، سوائے ایک "لوچی نوشکا" کے، اور وہ بھی اس وجہ سے کہ پھیری لگا کر دستی ارگن بجانے والے سڑکوں پر ہی گاتے بجاتے پھرتے ہیں۔ قطع نظر اس کے دو ایسی اہم اور اٹل خصوصیات ہیں جن سے فوراً پہچانا جا سکتا ہے کہ کون اصلی روسی ہے اور کون پیٹر سبرگ کا جو روسی ہو گا، چاہے کوئی

ہو بلا استثنا' وہ ہمیشہ "اکادمی گزٹ" کہے گا' کبھی اس کے منہ سے آپ اس اخبار کا نام "پیٹر برگ گزٹ" نہیں سنیں گے- دوسری خصوصیت بھی اسی کے برابر اہم کہ یہ جو آپ کے پیٹر برگ والے روسی ہوتے ہیں' ناشتے کا لفظ نہیں کہتے بلکہ اس کی جگہ جرمن لفظ Fruhstuck بولتے ہیں- اس میں بھی fruh کے ٹکڑے پر خاص زور دے کر- ان دونوں لازمی اور خاص الخاص علامتوں سے آپ فوراً پتہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کون ہیں- الغرض یہ ایک سدھی ہوئی قسم ہے آدمی کی جو پچھلے ۳۵ برسوں میں پختہ ہوئی ہے- ایکم پیترووچ جو چپ رہا تو یہ نہیں کہ وہ آدمی بے وقوف تھا- اگر جنرل صاحب اس سے کوئی ایسی بات پوچھتے جو اس کے دائرہ علم میں آتی ہوتی تو وہ ضرور جواب دیتا اور بات چیت جاری رکھتا' لیکن ان کا ماتحت ہو کر اسے زیبا نہیں تھا کہ اس قسم کے سوالات کا جواب دے بیٹھے' اگرچہ وہ فی الحال جنرل کے دل کا حال ذرا اور جاننے کو اور ان کی نیت معلوم کرنے کو مرا جا رہا تھا-

اتنے میں ایوان ایلیچ اور زیادہ اپنے خیالوں میں کھوتے چلے گئے اور ایک طرح سے خیالات کے بھنور میں ڈوب گئے- دماغی ادھیڑ بن میں وہ لگاتار اپنے جام سے گھونٹ پر گھونٹ لیتے رہے اور انہیں احساس تک نہ ہوا کہ پیتے چلے جا رہے ہیں- اور ایکم پیترووچ جوش عقیدت میں ان کا جام بھرتا رہا- دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے سے کچھ نہ کہا- ایوان ایلیچ نے ناچ رنگ دیکھنا شروع کر دیا تھا جس پر ایک دم سے ان کی توجہ لگ گئی تھی- کوئی خاص نکتہ اس میں پوشیدہ تھا جسے دیکھ کر وہ حیران تھے-

ناچ رنگ ایسے زوروں پر تھا کہ بالکل بے خودی طاری ہو چکی تھی- ناچنے والوں نے پوری یکسوئی سے خود کو اس میں جھونک دیا تھا اور وہ اس پر تلے ہوئے تھے کہ دیوانگی کی حد تک مزے لوٹیں گے- مردوں میں کم ایسے تھے جنہیں اچھی طرح ناچنا آتا ہو لیکن اناڑی اس زور سے قدموں کی تھاپ رکھتے تھے کہ دیکھنے والوں کو لگے گویا ناچ کے بڑے ماہر ہیں- افسر دوسروں میں خاص طور پر خود کو ممتاز کئے ہوئے تھا- اسے خصوصیت سے ایسے ناچ پسند تھے جن میں وہی وہ ناچ سکے' یعنی سولو ڈانس- اس وقت افسر کے بدن کا اکڑنا لررنا واقعی کمال کا تھا ــــــ وہ بالکل سیدھا تن کر کھڑا ہو جاتا جیسے کھمبا ہو- پھر ایک دم داہنے بائیں ڈھلکنا شروع کرتا جیسے اب گرا اور تب گرا- لیکن لمحے بھر بعد وہ اسی جھٹکے کے

ساتھ مخالف سمت میں ڈول جاتا اور جھکتے جھکتے فرش پر پھر ویسا ہی زاویہ بنا دیتا۔ اس نے چہرے پر نہایت سنجیدگی طاری کر رکھی تھی اور اس پختہ یقین کے ساتھ ناچ کر رہا تھا کہ سب لوگ میرے ڈانس کی داد دے رہے ہیں۔ ایک مرد آدمی تو پہلے ناچ کے فوراً بعد ہی کدریل ناچ کی باری آتے آتے اپنی ساتھی عورت کے سامنے آنکھیں بند کر کے دنیا سے غافل ہو گئے کیونکہ اپنے حصے کی شراب ساری حلق میں انڈیل چکے تھے۔ اور اب مجبوراً اس عورت کو اکیلے ہی ناچنا پڑ رہا تھا۔ نوجوان رجسٹرار بار بار وہی ایک ہوشیاری دکھائے جا رہا تھا۔ اور یہ شخص اس رات کے سارے پانچوں کدریلوں میں اسی ایک عورت کے ساتھ ہر بار ناچتا تھا جو نیلے رنگ کا رومال گلے میں ڈالے ہوئے تھی۔ وہ اپنی سنگت والی سے ذرا ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوتا' رومال کے دونوں سرے تھام لیتا اور جب سنگت بدلنے کا وقت آتا تو بدلتے میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دس بیس بوسے اس رومال پر بکھراتا گزر جاتا۔ وہ عورت خود بھی اس کے آگے تیر جاتی تھی اور ایسے بن جاتی تھی گویا اس کی نظر ہی نہیں پڑی ہے۔ ڈاکٹری کے طالب علم نے واقعی اپنے ہاتھوں پر سولو ناچ کر کے دکھا دیا۔ اس ناچ میں بے تحاشا دھما چوکڑی مچائی' پاؤں پٹکے اور غل غپاڑا کیا۔ مختصر یہ کہ انتہا درجے کی آزادی و بے باکی پھیلی تھی۔ ایوان ایلیچ جن پر انگوری شراب اپنا اثر کر چلی تھی' شروع میں تو مسکرائے لیکن دھیرے دھیرے ایک ناگوار شبہ ان کی روح پر بڑھنا شروع ہوا۔ درست ہے کہ میں خود بھی چاہتا ہوں کہ یہ لوگ اپنی ترنگ میں رہیں' بے تکلفی برتیں۔ مانوسی اور بے حجابی کا ایسا ماحول قائم ہو جائے اور قائم رہے' یہ ان کی اس وقت بھی تمنا تھی جب وہ لوگ انہیں دیکھ کر بچک گئے تھے اور اب بھی یہی تمنا تھی' لیکن ایسی کیا بے حجابی کہ تمام حدوں سے وہ گزرنے لگی۔ مثال کے طور پر ان میں ایک عورت جو نیلی مخمل کی بوسیدہ گون پہنے تھی' جو تین چار ہاتھوں سے گزر کر خریدی گئی ہو گی' اس نے چھٹے ناچ میں اپنے لباس کو کانٹے لگا کر ذرا اوپر چڑھا لیا تاکہ دیکھنے میں ایسا لگے گویا وہ بلومر پہنے ہوئے ہے۔ یہی وہ کلیوپٹرا سیمینونا تھی جس کے ساتھ بقول اس ساتھی میڈیکل طالب علم کے' ہر قسم کی چھیڑ کا خطرہ مول لیا جا سکتا تھا۔ خود اس طالب علم کے بارے میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ تھا واقعی سچ مچ کا فوکن(۱۸)۔

مگر ان سب باتوں کے معنی کیا؟ پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر بچک گئے' پھر ایک دم سب کے

سب بے باک ہو گئے۔ ویسے تو خیر کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن یوں ایک حالت سے دوسری میں منتقل ہو جانا ذرا جھٹکے سے ہوا ہے۔ ان کا ماتھا ٹھنکا۔ معلوم ہوتا ہے ان لوگوں کو خیال ہی نہیں رہا کہ ایوان ایلیچ صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہنسنے میں جنرل نے پہل کی تھی اور یہ خطرہ مول لیا تھا کہ کہیں لوگ زور سے تالیاں بجا دیں تو ---- ایکم پیترووچ ان کی ہنسی کا ساتھ دینے کو احتراماً کسی قدر مسکرایا۔اور قطعی ظاہر تھا کہ اس کے دل کا بوجھ اتر گیا لیکن غریب کو ایک لمحے بھی شبہ نہ ہوا کہ ہزاکسی لینسی جنرل صاحب کے سینے میں ایک اور سانپ پھن اٹھا رہا ہے۔

"خوب ڈانس کرتے ہو میاں صاحب زادے!" ایوان ایلیچ نے ڈاکٹری کے طالب علم سے یہ تعریفی جملہ کہنے پر خود کو مجبور پایا۔ کدریل ناچ کے ختم ہوتے ہی طالب علم ان کے پاس سے گزرا اور جنرل نے اس کی تعریف کر دی۔

طالب علم پھرتی سے ان کی طرف مڑا، اس نے منہ بنایا اور اپنا چہرہ ہزاکسی لینسی کے چہرے کے بالکل سامنے بدتمیزی کی حد تک قریب لاتے ہوئے مرغ کی طرح بڑے زور سے بانگ دے ڈالی "ککڑوں ---- کوں!" اب تو واقعی حد ہو گئی۔ ایوان ایلیچ اپنی میز سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر بھی بے لگام قہقہوں کا دونگڑا برسا کیوں کہ مرغ کی بانگ ایسی صفائی سے دی گئی تھی اور منہ چڑانے کی حرکت ایسی "آناً فاناً" ہو گئی تھی کہ بس۔ ایوان ایلیچ ابھی تک اپنی جگہ حواس باختہ کھڑے تھے کہ اتنے میں مسٹر دونی موف خود تعظیم سے جھکا ہوا ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کھانے کی میز پر چلنے کی دعوت دی۔ پیچھے پیچھے دولہا کی ماں بھی آ پہنچی۔

"حضور والا، یوراکسی لینسی" اس نے ادب سے جھک کر عرض کیا "ہمیں یہ شرف عطا ہو جائے کہ حضور، ہمارے غریبامو ماحضر سے انکار نہ فرمائیں ....."

"معلوم نہیں مجھے کہ واقعی ..... یعنی میں کھانا کھانے تو آیا نہیں تھا۔ بہرحال سوچ رہا تھا کہ اب آپ لوگوں سے اجازت لوں ....."

حقیقت بھی یہ ہے کہ جنرل نے ٹوپی ہاتھ میں اٹھا لی تھی اور چل دینے کو اس طرح کمربستہ ہو گئے تھے کہ عین اسی لمحے دل میں قسم کھا چکے تھے کہ چاہے کچھ بھی ہو، یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور کسی صورت سے بھی رکیں گے نہیں ---- لیکن وہ رک

گئے۔ منٹ بھر بعد آگے آگے وہ خود کھانے کی میز کی جانب رواں تھے اور پیچھے پیچھے باقی تمام حاضرین کا جلوس۔ پسل دونی موف اور اس کی ماں دونوں آگے بڑھ کر جنرل صاحب کے لئے راستہ بناتے جا رہے تھے۔ جو سب سے عزت کی جگہ ہو سکتی تھی وہاں ان کو بٹھایا گیا اور پھر شمپین کی ایک منہ کھلی بوتل ان کی پلیٹ کے برابر موجود تھی۔ میز پر پینے کے ساتھ کچھ کھانے کا بھی سامان تھا: ہیرنگ مچھلی تھی، وودکا تھی۔ جنرل نے ہاتھ بڑھایا اور وودکا اٹھا کر بڑا سا جام بھر لیا اور غٹاغٹ چڑھا گئے۔ وودکا پینے کی عادت نہ تھی۔ جام چڑھانا تھا کہ انہیں لگا جیسے پہاڑی پر سے لڑھک رہے ہیں۔ اور تیز ---- اور زور سے ---- اور زور سے لڑھکتے چلے جا رہے ہیں۔ انہیں احساس تھا کہ مجھے رکنا چاہئے۔ کسی چیز کو تھام لینا چاہئے۔ سنبھل جانا چاہئے ---- لیکن یہ کیوں کر ہو، ان کی سمجھ سے باہر تھا۔

ان کی صورت حال عجیب سے عجیب تر ہوتی جا رہی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس میں کوئی طنزیہ پہلو ضرور تھا۔ ایک گھنٹے کے مختصر عرصے میں انہیں جانے کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تھے گھنٹہ بھر پہلے تو کہنا چاہئے کہ ساری انسانیت کے لئے، اپنے تمام ماتحتوں کے لئے انہوں نے آغوش محبت وا کر دی تھی لیکن ابھی مشکل سے ایک گھنٹہ گزرا ہو گا کہ وہ رنج و ملال کے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ پسل دونی موف انہیں ناپسند ہے، اس کی بیوی ناپسند ہے، ان کی شادی ناپسند ہے، سب پر لعنت۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ پسل دونی موف کی صورت سے نظر آتا تھا، اس کی آنکھوں سے ٹپک رہا تھا کہ وہ بھی ان سے کچھ کم بیزار نہیں ہے۔ اس کی نگاہیں بول رہی تھیں: "دفع ہو جاؤ کم بخت۔ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے؟ اور بہت دیر ہوئی تبھی یہ الفاظ ایوان ایلیچ نے پسل دونی موف کی آنکھوں میں پڑھ لئے تھے۔

اس وقت بھی، جب ایوان ایلیچ کھانے کی میز کی طرف جا رہے تھے، اپنے ہاتھ قلم کرا لیتے لیکن ہرگز اپنے دل میں بھی یہ تسلیم کر کے نہ دیتے کہ ہاں معاملات کی صورت واقعی یہی ہے۔ ابھی اس حقیقت کو مان لینے کا لمحہ نہیں آیا تھا۔ ابھی کسی قدر اخلاقی توازن کی گنجائش باقی تھی۔ مگر واحسرتا کہ ان کا دل ..... جنرل صاحب کا دل درد کر رہا تھا۔ ان کے دل پر درد آزادی چاہتا تھا، کھلی ہوا چاہتا تھا، آرام چاہتا تھا۔ دیکھئے نا، ہمارے جنرل

صاحب، واقعی بڑے خوش مزاج انسان تھے۔

وہ جانتے تھے اور خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ بہت پہلے یہاں سے چل دینا چاہیئے تھا اور صرف چل دینا نہیں بلکہ جان سلامت لے کر نکل بھاگنا چاہیئے تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ جب وہ باہر تھے سڑک پر تو انہوں نے جو نقشہ اپنے ذہن میں جمایا تھا، یہاں پہنچ کر اس کا عشر عشیر بھی درست نہ نکلا۔

"یہاں میں آیا کس غرض سے؟ کیا اس لئے کہ کھاؤں گا، پیوں گا؟" انہوں نے ہیرنگ مچھلی کا ایک ٹکڑا لیتے ہوئے اپنے دل سے سوال کیا۔ ان کے خیالات میں قریب قریب بالکل ہی جھلاہٹ پیدا ہو چلی۔ آن کی آن میں خود اپنے اس کار نمایاں کے خلاف طنز و تمسخر کا جذبہ ان کے اندر پھوٹ پڑا۔ وہ دل سے اس دبدے میں پڑ گئے کہ میں یہاں آخر آیا ہی کیوں تھا۔

"لیکن میں یہاں سے جاؤں تو کیسے جاؤں؟ دعوت ختم کئے بغیر اٹھنا بے ہودہ بات تھی۔ یہ لوگ کیا کہیں گے۔ یہی کہ میں نامناسب جگہوں کے چکر کاٹتا پھر رہا ہوں گا۔ اگر دعوت ختم کئے بغیر کھسکا تو پیٹھ پیچھے یہی کہا جائے گا۔ اور پھر مثلاً استیپان نکی فروورچ، سیمیون ایوانووچ، دفتروں میں، شمیل اور شوبین لوگ کیا کچھ نہ کہیں گے کل کو (کیوں کہ بہرحال بات تو پھیلے گی ہی)۔ نہیں۔ میں جاؤں گا تو اس انداز سے جاؤں گا کہ ہر شخص ٹھیک طرح سے سمجھ لے کہ میں کس وجہ سے یہاں آگیا تھا۔ جو اخلاقی منشا ہے میرے آنے کا، اسے تو سب پر عیاں کر کے ہی جاؤں گا۔" یہ انہوں نے سوچا لیکن اس کا حوصلہ نہ بندھا "یہ لوگ تو میری عزت تک نہیں کرتے" وہ سوچتے چلے گئے "آخر یہ کس بات پر دانت نکال رہے ہیں۔ ایسے بے تکلف ہو گئے، اس قدر بے حس لگ رہے ہیں۔ ہاں، مجھے بہت زمانے سے اس کا خدشہ تھا کہ نئی نسل جو اٹھ رہی ہے بے حس و بے درد اٹھ رہی ہے۔ خیر، کچھ بھی ہو، میں یہاں ٹھیروں گا۔ ناچ کود سے تو یہ لوگ نمٹ چکے، اب میز پر جم کر بیٹھ لیں تو پھر میں سوال چھیڑ سکتا ہوں، اصلاحات کا ذکر اٹھا سکتا ہوں، روس کی عظمت کا تذکرہ زبان پر لا سکتا ہوں ..... سب کے دل مٹھی میں لے لوں گا۔ ضرور، یہی ہو گا۔ دیکھ لینا شائد ابھی موقع ہاتھ سے گیا نہیں ہے ..... تاہم، سچ مچ کی زندگی میں ہمیشہ ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ اب سوچنا ہے کہ ان لوگوں کو جیت لینے کے لئے کہاں سے شروع کروں؟ کون سا طریقہ کام میں

لاؤں؟ میرے تو اوسان خطا ہیں۔ بالکل عقل کام نہیں کرتی ..... یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ ان کا تقاضا کیا ہے؟ دیکھنا' سب ٹھٹھے مار رہے ہیں۔ خدایا' یہ کیا ہے؟ کہیں مجھ پر ٹھٹھے مارے جا رہے ہیں کیا؟ مگر میں کیا چاہتا ہوں؟ میں یہاں کیوں موجود ہوں؟ یہاں سے چلا کیوں نہیں جاتا؟ کیا نیت ہے میری؟" اس طرح کے خیالات کی ادھیڑ بن' جن میں کچھ شرم تھی' گہری ناقابل برداشت شرم' ان کے دل کو اندر تک کاٹتی چلی گئی۔

مگر سب کچھ اپنی راہ سے ہوتا چلا گیا' یکے بعد دیگرے۔

ابھی میز پر بیٹھے ان کو دو منٹ ہوئے ہوں گے کہ ایک ہولناک خیال ان کے سارے وجود میں دوڑ گیا۔ اچانک ان کو اندازہ ہوا کہ نشے میں دھت ہو چکے ہیں۔ یعنی شراب کا اتنا اثر نہیں جو پہلے تھا بلکہ اب وہ بری طرح ان پر چڑھ چکی ہے۔ اس کا سبب کیا تھا؟ یہ کہ شمپین پر ووڈکا کا بھرا جام چڑھا لیا اور وہ فوراً اپنا کام کر گیا۔ پورے وجود نے اندر سے آواز دی کہ جناب' آپ کمزوری کی آخری گہرائی میں ڈوبے جا رہے ہیں۔ ذرا دیر کو انہوں نے گرتے گرتے سنبھالا بھی لیکن ضمیر انہیں چین نہیں لینے دیتا تھا اور برابر پکارے جاتا تھا: "غلط بات' بہت ہی غلط حرکت' شرم و ذلت کی بات!" ظاہر ہے کہ نشہ چڑھ جانے کے بعد کے ڈانواں ڈول خیالات کسی وقت بھی ایک مقام پر ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ ان کے اندر ایک دم دو خانے بن گئے' اتنے واضح گویا قریب قریب چھو کر محسوس کئے جا سکتے ہوں: ایک خانے میں جواں مردی تھی' دوسروں کو قابو میں لانے کی خواہش' رکاوٹوں پر فتح پانے کی تمنا اور اس بات کا جان توڑ یقین کہ وہ اپنا مقصد بہرصورت پورا کر کے رہیں گے۔ دوسرا خانہ ایسا تھا جس میں سخت ذہنی کرب اور اذیت بھری تھی اور یہ احساس کہ کوئی چیز ہے جو دل کا لہو چاٹے جا رہی ہے۔ "لوگ کیا کہیں گے؟ اس کا انت کیا ہونے والا ہے؟ اور کل؟ کل کو' ہائے کل کو کیا سامنے آئے گا؟"

اس وقت تک انہیں کچھ دھندلا سا خیال تھا اس بات کا کہ یہاں مہمانوں میں میرے دشمن بھی پائے جاتے ہیں۔ "غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں داخل ہوا تو پیئے ہوئے تھا" انہوں نے دلی اذیت کے ساتھ شبہ ظاہر کیا۔ اس شبہ کا ذہن میں پیدا ہونا تھا کہ وہ بعض یقینی علامتوں سے یہ دیکھ کر کانپ گئے کہ دراصل اسی میز پر ان کے دشمن موجود تھے

اور اب اس بارے میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔

"آخر میں نے ایسا کیا بگاڑا ہے؟" انہوں نے اپنے دل سے سوال کیا۔

اس میز کے گرد قریب قریب تیس مہمان موجود تھے۔ ان میں کئی تو ایسے تھے جو اپنی آخری منزل کو پہنچتے نظر آ رہے تھے۔ باقی جو تھے ان پر لاپرواہ اور شرارت بھری آزادی کا جنون طاری تھا، چیخ پکار مچا رکھی تھی، سب ایک ساتھ زور زور سے بولتے۔ تہذیب سے گرے ہوئے جام صحت تجویز کرتے اور روٹی کے کنارے عورتوں پر پھینک کر مارتے۔ پھر وہ بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتیں۔ ایک شخص، کوئی بے حیثیت سا آدمی تھا میلے کچیلے فراک کوٹ میں، وہ کرسی پر بیٹھتے ہی دھڑام سے جا پڑا اور جب تک لوگ کھانا کھاتے رہے وہیں پڑا رہا۔ ایک اور آدمی اس پر کمربستہ تھا کہ میز تک پہنچ کر ایک جام تجویز کر کے ہی رہے گا۔ اس کے ناپختہ جوش کی روک تھام اس طرح ہوئی کہ فوجی افسر اس کے کوٹ کا دامن پکڑ کر پیچھے گھسیٹتا رہا۔ میز پر جو کھانے چنے گئے تھے ان میں بھی ذائقوں کی افراتفری پائی جاتی تھی اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ کسی جنرل کی رعایا میں سے ایک خانساماں کو اس موقع کے لئے کرائے پر بلوا لیا گیا تھا۔ گوشت کی جیلی تھی، زبان تھی اور اس پر آلو تھے، کٹلس ہرے مٹروں کے ساتھ تھے۔ آخر میں بطخ لائی گئی اور پھر میٹھی جیلی تھی جس پر کھانا تمام ہوتا تھا۔ شرابوں میں بیر تھی، ووڈکا تھی اور شیری۔ جنرل صاحب کی پلیٹ کے پاس شمپین کی بھی ایک بوتل دھری تھی جس میں سے انہیں مجبوراً ایکم پیتروورچ کا گلاس بھی بھرنا پڑا کیونکہ اب اس کی جرات نہ تھی کہ کھانے کی میز پر اپنے فرائض ادا کرتا رہے۔ سستے قسم کی انگوری یا اور جو کچھ بھی میسر تھا وہ باقی مہمانوں کے حصے میں پڑا اور جب جام تجویز ہوتے تو وہ انہی سستی شرابوں کو چڑھا جاتے۔ کھانے کی میز جو چنی گئی تھی وہ بھی کئی چھوٹی چھوٹی میزوں کو جوڑ کر بنائی ہوئی تھی۔ انہی میں تاش کھیلنے کی میز بھی تھی اور ان سب کو ڈھک رکھا تھا الٹے سیدھے میز پوشوں نے، جن میں سے ایک یروسلاول کے کپڑے کا پارچہ بھی تھا۔ عورتوں مردوں کے بٹھانے کا اہتمام یہ تھا کہ ایک مرد، برابر میں عورت، پھر مرد، پھر عورت۔ پسل دونی موف کی ماں خود میز پر نہیں بیٹھی بلکہ ادھر سے ادھر احکام چلاتی، ہدایات دیتی پھرتی رہی۔ اب جو دیکھتے ہیں تو ایک بد طینت عورت نمودار ہو گئی جس کا اب تک کہیں

پتہ نہ تھا۔ اس نے ہلکے لال رنگ کی ریشم کا فراک پہن رکھا تھا اور ایک سوجے ہوئے گال پر رومال بندھا ہوا تھا' اوپر سے بہت ہی اونچی ٹوپی لگا رکھی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ دلہن کی ماں ہے اور بڑی مشکلوں سے اس پر رضامند کی گئی ہے کہ کھانے میں شریک ہونے کے لئے پچھلے کمرے سے برآمد ہو جائے۔ ابھی تک یہ عورت اس لئے سامنے نہیں آئی تھی کہ پسل دوبی موف کی ماں سے گہری عداوت تھی جو کسی طرح صلح صفائی کے قابل نہ تھی۔ لیکن اس کی یاد بعد میں دلائیں گے۔ اگر طنزیہ نہ کہئے تو اس نے ناگواری کی نگاہ سے جنرل کو دیکھا اور ان سے تعارف کے لئے ذرا بھی اپنی جانب سے التفات نہ دکھایا۔ ایوان ایلیچ نے اس آسیب کو نہایت مشتبہ سمجھا لیکن ایک یہی عورت کیا' اور کئی لوگ ایسے موجود تھے جو مشتبہ معلوم ہوتے تھے اور جنہیں دیکھ کر جنرل کے دل میں برے برے خیال اور اندیشے پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ بلکہ یہاں تک نظر پڑتا تھا گویا یہ سب آپس میں مسکوٹ کر رہے ہیں اور ان کا جوڑ توڑ ظاہر ہے کہ ایوان ایلیچ کے ہی خلاف ہے۔ بہرحال ان کو ایسا کچھ لگ رہا تھا۔ کھانا بھی چلتا رہا اور کھانے کی میز پر ایوان ایلیچ کے یہ اندیشے بھی پختہ ہوتے گئے۔ اس سارے مجمع میں سب سے مشتبہ وجود ایک ڈاڑھی والے شریف صورت آدمی کا تھا جو بظاہر کوئی آرٹسٹ لگتا تھا۔ یہ شخص برابر ایوان ایلیچ کو دیکھتا جا رہا تھا اور پھر مڑ کر اپنے پاس والے کے کان میں کچھ کھسر پھسر کئے جاتا تھا۔ ایک اور مہمان تھا جو ظاہر ہے کہ طالب علم ہو گا' اگرچہ وہ بالکل ہی نشے میں دھت تھا تاہم اس سے بعض مشتبہ علامتیں ٹپک رہی تھیں۔ کوئی چیز تھی کہ ڈاکٹری کے طالب علم کے متعلق دل کو دھڑکا ہوتا تھا۔ حاضرین میں جو ایک افسر موجود تھا اس کے بارے میں بھی اطمینان نہیں ہوتا تھا ان سب سے بڑھ کر جو کھٹکنے والی اور خاص طور سے نفرت کی حرکتیں ظاہر ہو رہی تھیں وہ اس شخص میں جو "برانڈ" رسالے کا مضمون نگار کہا جاتا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر اس قدر بے ادبی سے پھیلا پڑا تھا' چاروں طرف اس قدر گھمنڈ سے آنکھیں گھماتا تھا اور یوں بے نیازی طاری کئے ہوئے خراٹے لے رہا تھا کہ بس۔ دوسرے مہمان اس مضمون نگار کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دے رہے تھے جو ایک رسالے "برانڈ" میں چار شعر چھپوا کر ان کی بدولت لبرل خیالات کا اہل قلم بنا پھرتا تھا۔ بلکہ یہ واقعہ ہے کہ وہ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے۔ لیکن جب روٹی کی ایک گولی ایوان ایلیچ کے بالکل نزدیک کھٹ سے آ کر پڑی تو وہ قسم کھا

کر کہہ سکتے تھے کہ یہ شرارت صرف ایک ہی آدمی کی ہو سکتی ہے' اور وہ ہے' "برانڈ" رسالے کا مضمون نگار۔

یہ تمام باتیں قطعی طور سے ان کے ذہن پر بہت افسوس ناک انداز میں اپنا اثر کئے جا رہی تھیں۔

اور پھر ایوان ا یلیچ نے ایک اور انتہائی درد ناک مشاہدہ کیا۔ چار و ناچار انہیں اس احساس کو مان لینا پڑا کہ الفاظ ان کی زبان سے ٹھیک ادا نہیں ہو رہے ہیں اور وہ اب مشکل سے بات کہہ پا رہے ہیں اور اگرچہ کہنے کو ان کے پاس بہت کچھ ہے لیکن زبان ساتھ نہیں دیتی۔ ذرا دیر بعد ان پر بے خودی طاری ہو چلی اور سب سے برا یہ ہوا کہ خراٹے نکلنے لگے اور بے وجہ قہقہوں پر قہقہے مارنے لگے حالانکہ ہنسنے کا کوئی موقع نہیں ہوتا تھا۔ یہ عالم بھی جلدی ہی گزر گیا کیونکہ اتنے میں انہوں نے شمپین کا ایک گلاس اور چڑھا لیا۔ حالانکہ یہ گلاس انہوں نے خود ہی انڈیلا تھا تاہم شروع میں ان کا بالکل ارادہ نہ تھا کہ پئیں گے لیکن گلاس میں شمپین بھرتے ہی وہ یوں چڑھا گئے جیسے اتفاقاً" ایسا ہو گیا ہو۔ اس کے بعد تو وہ کیفیت ہوئی گویا خوب رونے کو جی چاہا۔ خود ان کو محسوس ہو رہا تھا کہ عجیب بے ڈھنگی رقت اور جذباتیت میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔ پھر ایک بار ان پر محبت کا دورہ پڑا' محبت بھی ایسی کہ سبھوں کی محبت یہاں تک کہ پسل دونی موف کی محبت بلکہ "برانڈ" رسالے کے اہل قلم کی محبت پیدا ہو گئی۔ ایک دم ان کا دل امنڈ آیا کہ سب کو کلیجے سے لگا لیں' سب کچھ بھول بھال جائیں اور ہر ایک کے دوست بن جائیں۔ اور اوپر سے وہ چاہتے تھے کہ سب کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیں۔ ایک ایک بات ان لوگوں کو سنا دیں۔ کہ دیکھو' میں کتنے اچھے دل کا آدمی ہوں' قدرت نے کیا ذہانت عطا کی ہے مجھ کو' میں اپنے ملک کی کتنی خدمت کر سکتا ہوں' عورتوں کا کس قدر دل بہلا سکتا ہوں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ خیالات ترقی پسند ہیں' ہر شخص کی بہبودی میرے مدنظر ہے' یہاں تک کہ چھوٹے سے چھوٹے آدمی کا بھلا چاہتا ہوں اور پھر آخر میں سب کو بے تکلفی سے بتا دیا جائے کہ وہ کیا غرض تھی جو مجھے مجبور کر کے بن بلائے مہمان کی حیثیت سے یہاں پسل دونی موف کے مکان پر لے آئی۔ یہی کہ چلوں' شمپین کی دو ایک بوتلیں پی لوں اور اپنی موجودگی سے اس شخص کا جی خوش کر دوں۔

"سچائی، سب سے اول پاک و پاکیزہ سچائی ---- اور کھلا پن۔ میں اپنی سادگی اور کھلے پن کے ذریعے ان لوگوں کے دلوں میں اتر جاؤں گا۔ یہ لوگ میری بات کا یقین کریں گے۔ دل کو یقین ہے کہ مانیں گے میری بات۔ ابھی تو وہ دشمنوں کی سی نظر سے مجھ کو گھور رہے ہیں لیکن دیکھتے جاؤ، سب کچھ بتا دینے کی دیر ہے، سب میری مٹھی میں آ جائیں گے بے چون و چرا۔ اپنے اپنے جام بھر کر میری صحت کے نام پر پئیں گے اور جوش و خروش سے شور پکار مچائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ افسر تو ایسا جوش میں آئے گا کہ جوتے کی ایڑی سے جام ٹکرا کے توڑ لے گا۔ ممکن ہے سب کے سب میرے نام کا زندہ باد پکار دیں۔ بلکہ اگر خاص طور پر فوجی افسروں کے انداز میں وہ لوگ مجھے ہاتھوں پر لے کر اچھالنے لگیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ بہرحال یہ بھی خوب رہے گا۔ دلہن کو پیشانی پر بوسہ دوں گا۔ بڑی پیاری سی بچی ہے۔ ایکم پیترووچ بھی عمدہ آدمی ہے۔ رہا پسل دونی موف، وہ بھی وقت کے ساتھ رفتہ رفتہ بہتر ہوتا جائے گا۔ اس میں کمی ہے تو اس چیز کی کمی ہے، وہ جو ہوتی ہے اوپر کی سوسائٹی کی پالش ..... اور اگرچہ یہ پوری نئی نسل ہی روحانی نفاست سے محروم ہے تاہم، کوئی بات نہیں میں ان لوگوں سے بات کروں گا ..... بتاؤں گا کہ یورپ کی دوسری طاقتوں میں روس کا موجودہ مشن کیا ہے۔ کسانوں کے سوال کو بھی چھیڑ کر دیکھوں گا اور ..... پھر دیکھنا، یہ سب میری محبت میں اسیر ہو جائیں گے اور میں بہت شاندار طریقے سے رخصت ہوں گا!"

یہ تمنائیں واقعی بہت خوب تھیں لیکن تمناؤں کے اس کھلے ہوئے چمن میں اپنے وجود کے اندر اچانک اس خاص خواہش کا کروٹ لینا کہ میں بس تھوک دوں۔ وہ نہیں چاہتے تھے لیکن منشا کے خلاف ان کے منہ میں تھوک بھر آیا۔ اس کی خبر انہیں سب سے اول تب ہوئی جب دیکھا کہ ایکم پیترووچ کا گال تھوک سے گندہ کر دیا ہے اور اس غریب نے لحاظ کے مارے فوراً گال پونچھنے کو بھی ہاتھ نہ ہلایا۔ ایوان ایلیچ نے اپنی دستی لی اور خود بڑھ کر اس کا گال پونچھ دیا۔ لیکن منٹ بھر بعد اپنی یہ حرکت انہیں اس قدر مضحکہ خیز لگی۔ معقولیت سے اس قدر بیگانہ معلوم ہوئی کہ وہ اپنی بدحواسی میں گم ہو کر بالکل مہربلب ہو گئے۔ ایکم پیترووچ بھی کافی پی چکا تھا لیکن ذرا بھی بے قابو نہیں ہو رہا تھا۔ ایوان ایلیچ کو اب یہ اندازہ ہوا کہ کوئی پندرہ منٹ سے وہ برابر ایکم پیترووچ سے باتیں کئے جا رہے ہیں

اور باتیں بھی نہایت دل چسپ موضوع پر۔ اور وہ ان کی باتیں سنے چلا جا رہا ہے۔ نہ صرف یہ کہ تنگ آیا ہوا ہے بلکہ کسی وجہ سے ڈرا ہوا بھی ہے۔ پسل دونی موف جو ایک کو چھوڑ کر ان کے برابر بیٹھا تھا' گردن آگے کو نکالے ہوئے تھا' اس کا سر ایک طرف کو تھا اور چہرے پر نہایت ناگواری کا اثر لئے سنے جا رہا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دیکھنے میں لگتا تھا گویا ان پر نگاہی رکھ پہرہ دے رہا ہے۔ مہمانوں پر ایک نگاہ ڈال کر ایوان ایلیچ نے بھانپ لیا کہ ان میں سے اکثر تو بالکل دوبدو انہی کو گھور رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں۔ سخت حیرت کی بات یہ تھی کہ اس بات سے ایوان ایلیچ ذرا بھی پریشان نہ ہوئے بلکہ اس کے برخلاف اثر ہوا۔ انہوں نے اپنے جام سے ایک گھونٹ اور بھرا اور پہلے سے آگاہ کئے بغیر سارے مجمع کو انہوں نے خطاب کرنا شروع کر دیا۔

"حضرات! میں ابھی ابھی یہ کہہ رہا تھا کہ" زیادہ سے زیادہ بلند آواز میں انہوں نے کہنا شروع کیا "میں ابھی ابھی ایکم پیتروورچ صاحب سے کہہ رہا تھا کہ روس' جی ہاں' سرزمین روس' مختصر لفظوں میں یہ کہ آپ تو سمجھ رہے ہیں نا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں' ..... میری گہری اور پختہ رائے یہ ہے کہ سرزمین روس اب اس میں داخل ہو رہی ہے ..... ان انسانیت ..... میں ....."

"ان انسانی ---- نیت" میز کے بالکل آخری سرے سے آواز اٹھی۔

"ہو' ہو!"

"شوں ---- شو!"

ایوان ایلیچ کو سکتہ ہو گیا۔ پسل دونی موف اپنی کرسی سے اٹھا اور اس نے اوپر سے نیچے تک نظر دوڑائی یہ دیکھنے کو کہ کس نے آوازہ کسا ہے۔ ایکم پیتروورچ نے نگاہ بچا کے سر کے اشارے سے منع کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مہمانوں کو شرم دلانا چاہتا ہے۔ ایوان ایلیچ یہ اشارے ان کی نظر میں بھی آئے لیکن دل مسوس کر رہ گئے اور کچھ نہ بول سکے۔

"انسانیت!" وہ پھر اسی پر زور دے کر بولنے لگے "اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ..... جی ہاں' بہت دیر نہیں ہوئی کہ میں نے استیپان نکی فرووچ صاحب سے بھی کہا تھا ..... جی ہاں' یہی کہ ..... مطلب یہ کہ اگر چیزوں میں نئے سرے سے جان پڑ جائے تو ....."

"حضور والا یورا کسی لینسی!" میز کے آخری کونے سے صدا بلند ہوئی۔

"آپ کا خادم ہوں' فرمایئے" ایک دم جھٹکے سے ایوان ایلیچ نے رک کر جواب دیا اور یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ کون شخص ہے جس نے انہیں یوں مخاطب کیا۔

"کچھ نہیں' کچھ نہیں' یوراکسی لینسی' مجھے ذرا یوں ہی جوش آ گیا تھا' آپ اپنا بیان جاری رکھئے' جاری رکھئے" اسی آواز نے پھر کہا۔

ایوان ایلیچ کو جھرجھری آ گئی۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ نئے سرے سے جان ڈالنا خاص ان چیزوں میں ....."

"یوراکسی لینسی!" اسی آواز نے پھر زور سے پکارا۔

"جی جانب!"

"سلام صاحب!"

اب واقعی ایوان ایلیچ کے ساتھ حد ہو گئی۔ وہ برداشت نہ کر پائے اور تقریر بیچ میں چھوڑ کر وہ جملہ پورا نہ کر پائے تھے کہ ٹوٹ گئے جس شخص نے امن و انتظام میں خلل ڈالا تھا اس کی طرف مڑے۔ یہ بہت کم عمر طالب علم تھا' جو نشے میں بری طرح جھوم رہا تھا اور اس کا کیرکٹر بھی صاف طور سے نہایت ہی مشتبہ لگتا تھا۔ تھوڑی دیر سے اس نے ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ ایک گلاس اور دو پلیٹیں توڑ ڈالی تھیں یہ کہتے ہوئے کہ شادی میں یہی سب کرنا چاہئے۔ جب ایوان ایلیچ اس کی طرف مڑے ہیں تو افسر بہت سختی سے اسی شریر کو ڈانٹ رہا تھا:

"کیا ہے؟ تم نے آسمان سر پر کیوں اٹھا رکھا ہے؟ ایسے آدمی کو نکال باہر کیا جائے اور بس!"

"میں آپ کو کچھ نہیں کہہ رہا تھا یوراکسی لینسی' آپ کو کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ آپ اپنا بیان جاری رکھئے" شراب کے نشے میں دھت وہ اسکولی لڑکا زور سے بولا اور اپنی کرسی میں پھر اوندھا ہو گیا "چلتے چلے جایئے۔ سن رہا ہوں آپ کی تقریر ..... بہت ..... بوہت خوش ہوں میں آپ سے! کیا کہنے ہیں! واہ کیا کہنے ہیں!"

"شرابی چھوکرا" مسز ووئی موف نے زیر لب کہا۔

"ہاں دیکھ رہا ہوں کہ شراب میں دھت ہے' لیکن ....."

"یوراکسی لینسی' میں اس چھوکرے کو ایک بہت مزے کی کہانی سنا رہا تھا" افسر نے کہنا

شروع کیا "ہماری پلٹن میں ایک افسر تھا اس کا قصہ ہے کہ وہ اپنے کمانڈر سے عین اسی طرح بات کرتا تھا۔ اور اب یہ لڑکا اس کی نقل اتار رہا ہے۔ کمانڈر چاہے کچھ کہے افسر کو ایک ہی رٹ لگی رہتی تھی۔ وہ زور سے پکارتا: "واہ کیا کہنے ہیں' کیا کہنے ہیں!" دس سال ہوئے اسی حرکت پر اس کو ملازمت سے نکال دیا گیا۔"

"کون تھا وہ افسر؟"

"ہماری پلٹن میں تھا ایک جوان' یوراکسی لینسی۔ وہ اسی ایک لفظ کی رٹ لگائے لگائے پاگل ہو گیا۔ اول اول تو انہوں نے نرمی سے کہہ سن کر اسے روکنا چاہا۔ نہ مانا تو جیل میں ڈال دیا' کمانڈر نے بھی باپ کی شفقت کے ساتھ اسے برا بھلا کہا لیکن وہ ہر بات کا ایک ہی جواب دیتا تھا: "واہ کیا کہنے ہیں۔ کیا کہنے ہیں!"

عجیب بے ڈھنگی بات ہے' دیکھئے کہ بڑے دل گردے کا افسر' قد میں چھ فٹ سے اونچا۔ یہ بھی سوچا گیا تھا کہ اس کا کورٹ مارشل کر دیا جائے لیکن بعد میں دیکھا کہ عقل ہی ٹھکانے نہیں ہے۔"

"خیر' یہ تو ابھی اسکول کا لڑکا ہے۔ لڑکپن کی شرارت کو یوں ہی ٹالا جا سکتا ہے ..... اور میں اپنی بات کہوں کہ بذات خود اسے معاف کرنے کو تیار ہوں۔"

"بعد میں اس شخص کا ڈاکٹری معائنہ ہوا تھا' حضور والا۔"

"کیا؟ تو اس کی چیرپھاڑ کر کے دیکھا گیا؟"

"جی سرکار' مگر وہ تو بالکل زندہ آدمی تھا۔"

"یہ سننا تھا کہ مہمانوں میں قہقہوں کا پرشور سیلاب پھٹ پڑا۔ حالانکہ اب تک وہ لوگ خود کو بہت سنبھالے چل رہے تھے۔ ایوان ایلیچ کو طیش آگیا۔

"حضرات! حضرات!" وہ زور سے پکارے۔ شروع میں تو ان کی آواز تک غالباً لڑکھڑا نہیں رہی تھی "اتنا سمجھنے کے قابل ہوش و حواس ابھی مجھ میں باقی ہیں کہ زندہ آدمی کی چیرپھاڑ نہیں کی جاتی ہے۔ میں ان کی گفتگو سے یہ سمجھا کہ جب وہ پاگل ہوا تو پاگل پن میں دنیا سے چل بسا ہو گا ..... میرا مطلب یہ کہ مر گیا ہو گا ..... مطلب یہ کہ ..... یعنی میں کہنا چاہتا ہوں ..... آپ لوگ مجھے پسند نہیں کرتے ..... لیکن اس کے باوجود میں بذات خود آپ سب لوگوں سے محبت کرتا ہوں ..... جی ہاں' میں تو پورف ..... پورفیری تک سے محبت کرتا

ہوں۔ میں خود کو بے عزت کیئے لے رہا ہوں یہ کہہ کر....."

اتنا کہا تھا کہ ایوان ایلیچ کے لبوں سے تھوک کا ایک زور دار غراٹا اڑا اور میزپوش کو ایک بہت ہی کھٹکنے والی جگہ پر داغدار کر گیا۔ ہسل دونی موف اپنا نیپکن لئے دوڑا تاکہ میزپوش صاف کر دے۔ بدقسمتی کی یہ آخری حرکت ایسی تھی کہ ایوان ایلیچ بالکل ہی پس کر رہ گئے۔

"حضرات، بس، بہت ہوا۔ حد ہو گئی!" وہ جی چھوڑ کر زور سے پکارے۔

"جب کوئی آدمی پیے ہوئے ہو یوراکسی لینسی" ہسل دونی موف نے اتنا کہنے کی جسارت ایک بار کر ہی دی۔

"پورفیری! بھئی تم لوگ مجھے ..... تم سب مجھے نظر آ رہے ہو ..... ہاں ہاں، میں کہتا تو ہوں ..... مطلب یہ کہ، امید ہے کہ تم ..... یعنی میں ہر ایک سے کہتا ہوں کہ وہ بتائے ..... بتائے کہ میں نے کس بات سے آپ لوگوں کی نظر میں خود کو گرا لیا؟"

کہتے ہوئے ایوان ایلیچ کی آواز رندھ گئی تھی۔

"افوہ، یوراکسی لینسی!"

"پورفیری، میں تم سے پوچھتا ہوں ..... بتاؤ مجھ کو ---- کہ ہاں میں جو آیا نا ..... یہاں تمہاری شادی میں تو کیا میرا کوئی مقصد نہیں تھا؟ تھا مقصد کہ حوصلہ بڑھاؤں گا، عالی ظرفی پیدا کروں گا ..... کہ لوگ محسوس کریں۔ اب میں تم سب سے پوچھتا ہوں، بتاؤ میں نے تمہاری نظروں میں بہت گرا لیا خود کو ---- یا نہیں گرایا۔ بولو؟"

ہر طرف موت کا سا سناٹا پھیل گیا۔ ذرا سوچو تو، موت کا سا سناٹا، اور وہ بھی ایسے نازک سوال کے جواب میں! "ارے، اب منہ پھوٹے سے بولتے کیوں نہیں ایسے لمحے میں؟" جنرل صاحب کے دماغ میں بجلی سی کوندی۔ لیکن مہمان ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ آنکھوں میں اشارے کر رہے تھے۔ ایکم پیترووچ کا تو یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ ہسل دونی موف کو خوف کے مارے سکتہ ہو گیا تھا اور وہ بار بار اپنے دماغ میں ایک ہی ہول ناک سوال گھمائے جا رہا تھا:

"یہ جو کچھ ہو رہا ہے، اس سب کے بعد کل مجھ پر کیا گزرے گی؟"

ناگہاں وہی "براندا" رسالے کا اہل قلم، جو ابھی تک سر نہوڑائے چپ بیٹھا تھا، بری

طرح شراب کی جھونجھ میں ادبدا کر سیدھا ایوان ایلیچ کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔ اور اس نے سارے مجمع کی طرف سے جواب دے ڈالنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

"جی ہاں" وہ گرج کر بولا "جی ہاں، آپ نے خود کو سب کی نظروں میں گرا لیا ہے۔ جی ہاں، آپ دقیانوسی خیالات کے آدمی ہیں۔ دق ---- یا ---- نو ---- سی!"

"تم خود کو بھولے جا رہے ہو صاحب زادے! خبر ہے کس سے بات کر رہے ہو؟" ایوان ایلیچ ایک بار پھر اپنی کرسی سے اٹھ گئے اور غصے سے بل کھا کر زور سے بولے۔

"آپ سے بات کر رہا ہوں اور دوسری بات یہ کہ میں صاحب زادہ نہیں ہوں ..... آپ اس لئے آئے تھے کہ شان جتائیں گے اور لوگوں کے دل میں جگہ بنا لیں گے۔"

"پسل دونی موف، اس گفتگو کا کیا مطلب ہے؟" ایوان ایلیچ زور سے چلائے۔

پسل دونی موف اٹھ کر کھڑا تو ہو گیا لیکن اس قدر خوف زدہ تھا کہ اس سے ہلا نہیں جا رہا تھا اور سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ سارے مہمان معلوم ہوتا تھا کہ اپنی اپنی کرسیوں پر جم کر رہ گئے ہیں۔ آرٹسٹ اور وہ اسکولی لڑکا، دونوں چلائے : "بہت خوب! شاباش!"

مضمون نگار بے تحاشا غیظ و غضب کے عالم میں ڈانٹ کر کہتا رہا :

"جی ہاں، آپ تشریف لائے تھے کہ اپنی انسانیت کا ڈھول بجائیں گے، ہم سب کے رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ شمپین پیتے چلے گئے اور یہ بھی نہ سوچا کہ ایک کلرک جسے دس روبل مہینہ ملتا ہو اس کے لئے یہ بے حد مہنگی پڑے گی۔ مجھے یہ بھی شبہ گزرتا ہے کہ آپ ان افسروں میں سے ہیں جنہیں اپنے ماتحتوں کی نوجوان بیویوں کا چسکا ہوتا ہے۔ اور ہاں، یقین سے کہتا ہوں کہ آپ وہ شخص ہیں جو ٹیکس بھرنے کی حمایت کرتے ہیں۔ جی ہاں، آپ، جی ہاں ---- جی ہاں!"

"پسل دونی موف! پسل دونی موف!" ایوان ایلیچ اس کی طرف ہاتھ پھیلا کر زور سے پکارے۔ مضمون نگار کا ایک ایک لفظ ان کے دل میں خنجر بن کر اتر گیا تھا۔

"ذرا ٹھہریئے یور اکسی لینسی، مہربانی فرما کر آپ پریشان نہ ہوں!" پسل دونی موف فیصلہ کن انداز میں پکارا اور جھپاکے سے مضمون نگار کی طرف بڑھا۔ اس کے کوٹ کا

گریبان زور سے پکڑا اور میز پر سے گھسیٹ لیا۔ کسی کو گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ؟سل دونی موف جیسے مریل آدمی میں اس غضب کی طاقت آ جائے گی۔ لیکن "برانڈ" رسالے کا مضمون نگار نشے میں بالکل ہی چور تھا اور ؟سل دونی موف نے جو خود کو قطعی سنبھالے ہوئے تھا دو ایک ہاتھ کس کر اس کی کمر پر جمائے اور دھکا دے کر کمرے سے باہر دھکیل دیا۔

"پاجی، کمینے! تم میں سے ایک ایک!" اہل قلم نے للکار کر کہا "دیکھنا کل "برانڈ" رسالے میں تم سب کو رگید ڈالوں گا!"

سب لوگ جھٹ سے قدموں پر اٹھ گئے۔

؟سل دونی موف، اس کی ماں اور چند مہمان جنرل کے چاروں طرف سمٹ آئے اور چلانے لگے: "حضور والا، یوراکسی لینسی! یوراکسی لینسی، آپ اس کی بات پر دھیان نہ دیجئے، یوراکسی لینسی!"

"نہیں، نہیں!" جنرل نے چیخ کر کہا "میں پس گیا۔ آیا تھا، میں یہاں مطلب یہ کہ آیا تھا اس غرض سے کہ بپتسمہ ..... یعنی وہ کہ اشیرباد دوں گا اور اس کا بدلہ مجھے یہ ملا!"

وہ کرسی میں ڈھیر ہو گئے جیسے غش آ گیا ہو۔ میز پر انہوں نے دونوں ہاتھ ڈال دئے اور اپنا سر ان پر ٹیک دیا ٹھیک اس پلیٹ میں جس میں جیلی تھی۔ اس سے تمام لوگوں پر کس بلا کی وحشت طاری ہوئی ہے، اس کا بیان غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ منٹ بھر بعد وہ کرسی سے اٹھے، نظر آ رہا تھا کہ چل دینا چاہتے ہیں۔ کھڑے ہو کر جھول گئے۔ پاؤں کرسی کے پائے میں الجھ گیا اور کھڑے قد سے فرش پر گر پڑے اور خراٹے لینے لگے .....

ایسے لوگ جو پکے شرابی نہیں ہوتے ہیں، اگر اتفاق سے بہت زیادہ پی جائیں تو ان کے ساتھ یہ صورت پیش آ جاتی ہے۔ آخری لمحے تک وہ ہوش و حواس قائم رکھتے ہیں اور پھر ایک دم جھونک میں آ کر گر پڑتے ہیں کٹے ہوئے پیڑ کی طرح۔ ایوان ایلیچ بھی فرش پر بالکل بے ہوش پڑے تھے۔ ؟سل دونی موف اپنے بال کھسوٹ رہا تھا اور ایسے کھڑا تھا جیسے پتھرا گیا ہو۔ مہمان جلدی جلدی بکھرنے لگے اور جتنے منہ اتنی باتیں۔ صبح کے تین بجے کا وقت ہو چکا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ؟سل دونی موف جس مصیبت میں پھنسا ہوا تھا وہ تو خیر

تھی ہی، لیکن اس کے علاوہ بے چارے کے حالات ظاہراً اندازے سے کہیں زیادہ بگڑے ہوئے تھے۔ اور اب جب کہ ایوان ایلیچ فرش پر پھیلے پڑے ہیں اور ہسل دونی موف ان کے پاس کھڑا بدحواسی میں اپنے سر کے بال نوچ رہا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اپنی کہانی کو ذرا روک کر خود اس شخص پورفیری پیترووچ ہسل دونی موف کے بارے میں چند تعارفی الفاظ کہتے چلیں۔

ابھی شادی سے مہینہ بھر پہلے ہسل دونی موف تنگی ترشی کی حد کو پہنچ چکا تھا۔ وہ ایک گوبرنیا (تعلقہ) چھوڑ کر آیا تھا جہاں اس کے باپ کوئی معمولی سے ملازم تھے اور ان پر کسی خفیف سے جرم میں مقدمہ چل رہا تھا کہ دنیا سے سدھار گئے۔ سال بھر تک وہ پیٹر برگ میں بہت خستہ حالی کی زندگی گھسیٹتا رہا تب جا کر پانچ مہینے پہلے اسے دس روبل مہینہ کی نوکری نصیب ہوئی اور تب کہیں معلوم ہوا کہ تن مردہ میں جان پڑ گئی ہے۔ لیکن حالات نے اسے پھر جھنجھٹ میں پھنسا دیا۔ دنیا میں اب صرف دو ہی ہسل دونی موف رہ گئے تھے، وہ اور اس کی ماں جو اپنے شوہر کے انتقال کے بعد تعلقہ چھوڑ کر شہر میں چلی آئی تھی۔ ماں اور بیٹا دونوں کے دونوں سخت سردی میں فاقوں مرتے تھے اور سڑی گلی چیزوں سے پیٹ کی آگ بجھاتے تھے۔ ایسے بھی دن گزرے ہیں جب ہسل دونی موف خود ہاتھ میں ڈونگا لئے ہوئے فونتانکا پہنچتا کہ پانی پی کر اپنی پیاس بجھالے۔ آخر میں جب اسے یہ ملازمت مل گئی تو ماں بیٹے کو سر چھپانے کا ٹھکانا بھی میسر آگیا۔ ماں نے لوگوں کے کپڑے دھلائی پر لے کر کام چلایا اور بیٹے نے چار مہینے کی تنخواہ بچا کر اپنے لئے بوٹوں کی جوڑی اور ایک اوور کوٹ خریدا۔ پھر دفتر میں بھی اسے کس کس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کے افسر پاس آتے تو پوچھتے، کیوں جی، تم پچھلی بار حمام کب گئے تھے؟ افواہ پھیلی کہ ہسل دونی موف کے کوٹ کے کالر میں کھٹملوں کا چھتہ ہے۔ لیکن اس شخص میں قوت ارادی بھی بہت تھی۔ دیکھنے میں وہ بڑا دبو اور بے زبان لگتا تھا۔ تعلیم بھی برائے نام ہی پائی تھی۔ ممکن ہے کبھی اتفاقاً اس کی زبان سے کسی بات پر اظہار خیال ہو گیا ہو۔ ورنہ میں جانوں کہ یقین سے کہنا مشکل ہے کہ ہسل دونی موف کبھی کچھ سوچتا تھا، دل میں اسکیمیں یا منصوبے ڈھالتا تھا، کسی قسم کی بھی کوئی تمنا رکھتا تھا یا نہیں۔ بہرحال جو صورت بھی ہو، ایک قسم کا فطری، انجانا اور اٹل ارادہ اس میں پیدا ہو چلا تھا کہ کسی طرح خود کو اپنی موجودہ گری پڑی حیثیت سے

نجات دلوائے اور ترقی کی راہ پر قدم رکھے۔ چیونٹی کی سی استقامت تھی اس میں کہ آپ چیونٹیوں کا چھتہ کچل کر روند کر صاف کر دیں اور وہ پھر فوراً دوسرا بنا لیں گی۔ اسے بھی تباہ کر دیجئے وہ پھر سے بنانے پر لگ جائیں گی اور اسی طرح لامتناہی سلسلہ چلتا رہے گا۔ جسل دونی موف کی طبیعت میں ڈٹے رہنے اور کفائت شعاری سے چلنے کا مادہ موجود تھا۔ ایک نظر میں ہی دکھائی دے جاتا تھا کہ یہ شخص اپنی راہ بنا کر رہے گا' اپنے گھونسلے کے لئے تنکا تنکا اکٹھا کر لے گا۔ اور عین ممکن ہے کچھ پس انداز کر لیتا ہو۔ ساری دنیا میں کوئی اس سے محبت کرنے والا نہ تھا سوائے ماں کے۔ اور ماں اپنے بیٹے پر جان چھڑکتی تھی۔ یہ عورت خود بھی بڑی ثابت قدم' جان لڑا دینے والی' محنتی اور ساتھ ہی بے انتہا نیک طینت تھی۔ شائد ماں بیٹے اسی طرح اپنے کونے کھدرے میں پڑے ہوئے اور پانچ چھ سال گزار دیتے اور انتظار میں رہتے کہ غیب سے کچھ نہ کچھ ہو جائے گا' لیکن اتفاق سے ریٹائرڈ پراوی کونسلر ملیکوپیتائف سے ملاقات ہو گئی۔ پہلے ملیکوپیتائف صوبائی شہروں کے خزانے میں کلرک تعینات رہا' پھر کچھ عرصے سے بال بچوں سمیت اسی شہر پیٹربرگ میں بس گیا تھا۔ جسل دونی موف کے باپ نے اس کے ساتھ ایک بار احسان کر دیا تھا' چنانچہ بیٹے سے اس کی واقفیت تھی۔ تھوڑی سی پونجی بھی اس کے پاس ضرور تھی۔ بہت نہ ہو گی لیکن تھوڑی بہت تو تھی۔ کسی کو پتہ نہ تھا کہ بڑے میاں کے پاس اصل میں کتنی رقم ہے' نہ بیوی کو' نہ بڑی بیٹی کو اور نہ رشتہ داروں کو۔ اس کی دو بیٹیاں تھیں اور یہ شخص موجی آدمی تھا' بہت پیا کرتا تھا اور گھر بھر کو دبا کر رکھتا تھا' خود بیمار رہا کرتا تھا' اس کے دماغ میں یہ بات گھس گئی کہ اپنی ایک بیٹی کو جسل دونی موف سے بیاہ دے۔ "دیکھئے نا' مجھے معلوم ہے کہ اس کا باپ اچھا آدمی تھا۔ باپ اچھا تھا تو بیٹا بھی اچھا ہی ہو گا۔" اور جب ملیکوپیتائف کسی کام کو کرنے کی ٹھان لے تو پھر وہ کام کر کے رہتا تھا۔ عجیب و غریب قسم کا جلاد شخص تھا۔ اپنا زیادہ وقت آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے گزارتا کیونکہ بیماری نے اسے چلنے پھرنے سے معذور کر رکھا تھا۔ لیکن یہ بیماری اسے شراب چڑھانے سے نہ روک سکی تھی۔ وہ خوب چڑھا جاتا اور کئی کئی دن تک نشے میں دھت گالیاں برسایا کرتا۔ بڑا بے درد شخص تھا۔ جی چاہتا تھا کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی اس کے پاس موجود رہے تاکہ برابر اس کو اذیت دے سکے۔ اس مقصد سے اس نے بعض دور کے رشتہ داروں کو گھر میں رکھ چھوڑا تھا۔ ایک اس کی

اپنی بہن جو خود بیمار قسم کی عورت تھی' دو سالیاں' وہ بھی بدمزاج اور چڑچڑی- ایک بوڑھی خالہ جس کی ایک پسلی کسی حادثے میں چور چور ہو چکی تھی- اس کنبہ کے علاوہ اس نے ایک اور کھونٹی بھی لگا رکھی تھی' یہ جرمن نسل کی ایک عورت تھی جس میں یہ کمال بتایا جاتا ہے کہ الف لیلہ کی کہانیوں سے بڑے میاں کا جی بہلایا کرتی تھی- صاحب خانہ کو خاص لذت اس میں ملتی تھی کہ ان تمام بدقسمتوں کو' جو اس کی روٹی کھاتے تھے' طرح طرح سے اذیت دیتا رہے اور جتنی گالیاں بک سکتا ہے بکتا ہے- اگرچہ ان میں سے کسی ایک کی بھی یہاں تک کہ اس کی بیوی کی جس کے دانتوں میں ہمیشہ درد رہتا تھا بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ ایک لفظ بھی اس کی موجودگی میں زبان سے نکال سکے- اس نے ان لوگوں کو جو اس کے دست نگر تھے' ایک دوسرے کے خلاف بھڑا رکھا تھا' من سے نئی نئی باتیں گڑھتا اور پھیلاتا تھا اور اس کی وجہ سے جب وہ ایک دوسرے پر آستینیں چڑھاتے تو یہ منظر دیکھ کر خوب خوش ہوتا اور قہقہے لگاتا- وہ باغ باغ ہو گیا جب بڑی بیٹی اپنے افسر شوہر کے ساتھ زندگی کے دس برس فاقوں میں کاٹ کر تین چھوٹے چھوٹے بیمار بچوں کو لئے ہوئے بیوہ کی حیثیت سے باپ کے گھر آ پہنچی- اسے یہ بچے ناگوار تھے لیکن چونکہ ان کی بدولت روزانہ گالیوں اور کچوکوں کی مشق کا ایک اور سامان ہاتھ آتا تھا اس لئے وہ دل میں مطمئن ہو گیا- بدمزاج عورتوں اور دکھی بیمار بچوں کا یہ ٹولہ اپنے جلاد سمیت پیٹرسبرگ کے محلے کے ایک لکڑی کے مکان میں ٹھنسا ہوا تھا- آدھے پیٹ روٹی کھا کر یہ لوگ بسر کرتے تھے کیونکہ صاحب خانہ اتنا کنجوس تھا کہ یک مشت چند کوپک سے زیادہ کبھی نہ نکالتا اگرچہ ووڈکا پر روپیہ بہاتے اس کا دل نہ دکھتا تھا- ان لوگوں کی نیند بھی کبھی نہ بھرنے پاتی تھی کیونکہ بوڑھے کو بے خوابی کا مرض تھا اور وہ تقاضا کرتا رہتا تھا کہ گھر والے اس کا جی بہلاتے رہیں- مختصر یہ کہ سب کے سب مصیبت بھری زندگی جیسے تیسے کھینچے جا رہے تھے اور اپنے مقدر کو کوستے رہتے تھے- عین انہی دنوں میں ملیکوپیتائف کی نظر جسل دونی موف پر پڑی- نوجوان کی لمبی ناک اور غریب صورت دیکھ کر وہ چونک پڑا- اس کی چھوٹی بیٹی جو بیمار اور سیدھی سادی تھی ابھی چند روز پہلے اپنی سترہویں سال گرہ منا چکی تھی- اگرچہ وہ کسی زمانے میں جرمن بورڈنگ ہاؤس میں رہ چکی تھی لیکن وہاں اس نے حرف شناسی کے سوا کچھ حاصل نہ کیا- بعد میں اپنے بیکار ٹانگ والے شرابی باپ کے بوجھ تلے پس پس کر اور

گھر کے اندر کی تاک جھانک، گالی گفتار اور چغل خوریوں سے تنگ آ کر سوکھتی چلی گئی اور ہڈیوں کا ڈھانچا ہو کر رہ گئی۔ نہ اس کے سکھی سہیلی تھی، نہ عقل و ذہن۔ بہت دنوں سے وہ اس کی آرزومند تھی کہ کہیں شادی بیاہ ہو جائے۔ جب غیر لوگ سامنے ہوں تو مسکین نظر آتی لیکن گھر پر ماں کے پہلو میں اور ان لوگوں کے غول میں جو خواہ مخواہ پڑے ہوئے روٹیاں توڑ رہے تھے وہ بڑی سر پھری لڑکی تھی جو برے کی طرح کاٹتی چلی جاتی تھی۔ اپنی بہن کے بچوں کو تنگ کرنا اسے پسند تھا۔ انہیں ادھر سے ادھر ٹھیلتی رہتی اور چٹکیاں لیتی کہ تم نے شکر تو نہیں چرالی؟ روٹی تو نہیں اڑا دی؟ اس کی وجہ سے دونوں بہنوں میں مستقل ایک فتنہ برپا رہتا تھا جو کبھی نمٹنے کا نام نہ لیتا۔ ملیکوپیتائف نے خود یسل دوونی موف سے اپنی بیٹی کا رشتہ دیا۔ ویسے تو تھا بہت ہی غریب، لیکن اس کے باوجود سوچنے کو کچھ دن کی مہلت طلب کی۔ بہت دن تک ماں بیٹے مغز کھاتے رہے اور دیکھا کہ مکان اسی بیٹی کے نام لکھا ہوا ہے۔ مکان کیسا، لکڑی کا ایک منزلہ اور بودا سا ڈھانچہ ہو گا لیکن مکان پھر مکان ہے۔ پھر یہ کہ جہیز میں اسے چار سو روبل ملنے والے تھے، یعنی اتنی بڑی رقم ہے جس کے پس انداز کرنے میں بہت دن لگتے ہیں۔ "کیا سمجھتے ہو میں اس گھر میں کیوں ایک مرد کو بڑھانا چاہتا ہوں؟" اس شرابی جلاد نے ڈانٹ کر کہا "اول تو اس لئے کہ سارے گھر میں عورتیں ہی عورتیں ہیں اور عورتوں سے میرا ناک میں دم آ چکا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ یسل دوونی موف میرے اشارے پر ناچے کیونکہ میں اس کا محسن یا کرم فرما ہوں۔ دوسری وجہ اسے گھر میں شامل کرنے کی یہ ہے کہ تم سب اس کے خلاف ہو۔ تمہیں اس سے پریشانی ہوتی ہے۔ میں تمہیں جلانے کو یہ رشتہ کر رہا ہوں۔ جو میری زبان سے نکل جائے وہ کر کے رہتا ہوں۔ اور تم سنو پورفیری، جب یہ تمہاری بیوی ہو جائے تو تم اس کی خوب ٹھکائی کرنا۔ پیدائش سے لے کر آج کے دن تک اس لونڈیا میں سات عیب پائے جاتے ہیں۔ مار مار کے سب نکال دینا۔ چاہو تو میں اپنی بیساکھی دے دوں گا!"

یسل دوونی موف خاموش رہا لیکن جی میں وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ شادی کی تقریب سے پہلے ہی ہونے والے دولہا اور اس کی ماں کو اس مکان میں جگہ دے دی گئی۔ انہیں نہلایا دھلایا گیا، کپڑے بدلے گئے، اور شادی کے لئے رقم ان کی مٹھی میں دبا دی گئی۔ ممکن ہے واقعی بڑے میاں دل سے ان پر شفقت فرما رہے ہوں کیونکہ گھر کے تمام لوگ ان ماں بیٹے

سے نفرت کرتے تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ؔسل دونی موف کی ماں پر تو خاص مہربانی کی نظر کر دی کیونکہ بڑے ضبط سے کام لے کر اس عورت کو بخش دیا اور اسے اذیت نہیں پہنچائی۔ البتہ ؔسل دونی موف کو اس نے مجبور کر کے شادی سے صرف ہفتہ بھر پہلے قزاچوک ناچ کرایا اپنے سامنے۔ جب ناچ ہو چکا تو وہ بولا: "بس، بس، کافی ہے، میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہیں اپنی حیثیت معلوم ہے کہ نہیں۔" شادی کے خرچ کے لئے اس نے جو رقم نکالی وہ بھی انتہائی کم اور بلا لیا اپنے تمام رشتہ داروں اور ملنے والوں کو۔ ؔسل دونی موف کی طرف سے بس یہ دو مہمان موجود تھے، ایک تو وہی "برانڈ" رسالے کا مضمون نگار اور دوسرے ایکم پیترووچ، مہمان خاص۔ ؔسل دونی موف کو خوب معلوم تھا کہ دلہن اس کی صورت سے بیزار ہے اور یہ کہ اگر بس چلتا تو اس کے بجائے افسر سے بیاہا جانا پسند کرتی۔ لیکن سب کچھ خاموشی سے پی گیا، ماں بیٹے نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ جو بھی ہو گا پی جائیں گے۔ شادی کے روز سارے دن اور رات گئے تک ملیکوپیتائف گندی گندی گالیاں بکتا رہا اور شراب چڑھاتا رہا۔ شادی کے اہتمام کی وجہ سے گھر گرہستی کو مکان کے پچھلے کمروں میں ٹھونس ٹھانس کر دیا گیا تھا اور جب تک ان کا دم نہ گھٹ گیا سب وہیں بند پڑے رہے۔ سامنے کے جو کمرے تھے انہیں ناچ اور رات کی دعوت کے لئے تیار کر دیا گیا۔ آخر کوئی گیارہ بجے رات کو جب لڑکی کا باپ شراب کے نشے میں چور ہو کر سونے لیٹ گیا تب دلہن کی ماں جو سارے دن دولہا کی ماں سے خاص کر بہت کٹی کٹی رہی تھی، اپنے جی میں سوچ کر نکلی کہ چلو، جو ہوا سو ہوا، جانے دو۔ اور ناچ اور دعوت میں شریک ہوئی۔ ایوان ایلیچ کی آمد نے سارا کھیل ہی بگاڑ کر رکھ دیا۔ ملیکوپیتائف کی بیوی کو الجھن ہوئی، شکائت پیدا ہو گئی اور ہر ایک کو برا بھلا کہنے لگی کہ کم سے کم مجھے خبردار تو کر دیا ہوتا کہ ایک سچ مچ کے جیتے جاگتے جنرل کو دعوت میں بلا رکھا ہے۔ اس عورت کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ کسی نے دعوت نہیں دی، وہ بن بلائے آ گئے ہیں لیکن وہ ایسی بیوقوف تھی کہ کسی صورت سے مان کر نہیں دیتی تھی۔ شمپین منگوانی تھی۔ ؔسل دونی موف کی ماں کے پاس کل رقم ایک روبل تھا اور بیٹے کی جیب میں کوڑی نہیں تھی۔ چنانچہ ضروری ہو گیا کہ دلہن کی روٹھی ہوئی ماں کو کسی صورت سے منایا جائے تاکہ پہلے شمپین کی ایک بوتل کے لئے، پھر دوسری بوتل کے لئے روبل طلب کئے جائیں۔ بڑی منت سماجت کی

کہ آپ کے داماد اور اس کے افسر کا معاملہ ہے، اس کی زندگی بننے بگڑنے کا سوال ہے۔ دل اور ضمیر سے اپیل کی گئی تب جا کر اس نے گرہ سے کچھ روپیہ نکالا لیکن ٹسل دونی موف کی اس قدر تذلیل ہو گئی شراب کے ان گھونٹوں کی بدولت کہ وہ کئی بار چپکے سے اس کوٹھری میں گیا جہاں دولہا دلہن کی سیج لگی ہوئی تیار تھی اور وہاں اس نے اپنے سر کے بال کھسوٹے اور منہ کے بل خود کو اس بستر پر گرا دیا جو آسمانی برکتوں کے لئے سجا ہوا تھا اور وہاں وہ غم و غصے سے لرزتا رہا۔ ہائے، ایوان اِیلیچ، آپ کو کیا خبر، کہ شمپین کی دو بوتلیں جو آپ نے آج کی رات پی ڈالی ہیں وہ کتنی مہنگی پڑی ہیں۔ اب اس پر یہ کھیل جس صورت میں خاتمے کو پہنچا تھا اس سے ٹسل دونی موف دہشت زدہ تھا، دکھی تھا اور اس کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ ابھی تو اور مصیبت بھرنی باقی تھی اور غالباً رات بھر آفت مچی رہے، بات بات پر نکتہ چینی کرنے والی دلہن گریہ و زاری کرے اور اس کے بے وقوف رشتہ دار ڈانٹ پھٹکار سنائیں۔ ابھی تک اس کا سر درد کر رہا تھا اور لگتا تھا کہ آنکھوں کے ڈھیلوں پر دھواں دھار ہنگامے کی فلم گھوم رہی ہے۔ اب صورت یہ تھی کہ ایوان اِیلیچ پڑے ہیں، انہیں مدد کی ضرورت ہے، صبح کے تین بجے کہیں سے ڈاکٹر بلوایا جائے یا گاڑی لا کر انہیں گھر تک پہنچایا جائے۔ گاڑی بھی ہو تو کسی کی ذاتی گاڑی، ورنہ ایسی بڑی ہستی کو اس حال میں کرائے کے معمولی یکے تانگے کھڑ کھڑ دولت خانے تک پہنچانا ممکن نہیں ہے۔ اور گاڑی آئے تو اس کے لئے روپیہ کہاں سے آئے؟ دلہن کی ماں پہلے ہی جلی بیٹھی تھی کہ جنرل صاحب نے نہ تو اس سے دو بول بات کی اور نہ کھانے کی میز پر نظر اٹھا کر دیکھا، اس نے صاف جواب دے دیا کہ میرے پاس پیسہ کوڑی کچھ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ واقعی نہ ہو اس کے پاس۔ اب سوال تھا کہ روپیہ آئے تو کہاں سے آئے؟ کیا کیا جائے؟ حالت ایسی تھی کہ آدمی جھلا کر اپنا ہی منہ پیٹے۔

اس اثنا ایوان اِیلیچ کو اٹھا کر چمڑے کی کوچ پر ڈالا گیا جو کھانے کے کمرے میں پڑی تھی۔ جب میزیں صاف کر کے الگ الگ کی جا رہی تھیں تو ٹسل دونی موف ادھر ادھر دوڑا پھرتا تھا کہ کسی سے کچھ روپیہ ادھار مانگ لے۔ اس نے نوکروں تک کے آگے ہاتھ پھیلایا لیکن کسی کے پاس کچھ نہ تھا۔ ایکم پیترووچ اوروں کے جانے کے بعد ٹھہر گیا تھا، حد

ہو گئی کہ اس تک کو زحمت دینے کی مصیبت مول لی۔ وہ ویسے تو اچھے دل کا آدمی تھا۔ لیکن روپے کا ذکر سنتے ہی اگر دہشت زدہ نہ کہئے تو کم از کم ایسا بوکھلایا کہ جواب میں الفاظ بھی نکلے تو نہایت بے معنی انداز میں ٹوٹے پھوٹے :

"کسی اور وقت ---- ضرور بڑی خوشی سے۔ لیکن دیکھو ..... اب مجھے اندیشہ ہے کہ خیر..... بھئی اس وقت تو معاف کر دو ....." وہ بدبدایا۔ اور ہاتھ میں ٹوپی اٹھا کر وہ تیزی کے ساتھ مکان سے نکل گیا۔ ایک ہی وجود تھا جو اس آڑے وقت پر کچھ کام آ سکا۔ اور یہ تھا وہ نیک دل طالب علم جو خوابوں کی کتاب کی بات کر چکا تھا اور وہ بھی کچھ زیادہ مفید نہ رہا۔ سب کے چل دینے کے بعد وہی ٹھیرا رہا صرف اس وجہ سے کہ ٹسل دونی موف کی مصیبت میں اسے دلی ہمدردی ہو رہی تھی۔ آخر ٹسل دونی موف، اس کی ماں اور اس لڑکے نے سر جوڑ کر یہ طے کیا کہ ڈاکٹر بلوانے سے بہتر یہ ہو گا کہ گھوڑا گاڑی کہیں سے لائی جائے اور مریض کو ان کے گھر پہنچا دیا جائے۔ اور فی الحال جب تک گاڑی آئے، کچھ گھریلو ٹوٹکے کر کے دیکھ لئے جائیں۔ مثلاً یہ کہ ٹھنڈے پانی سے سر اور کنپٹی کو تر کیا جائے، سر پر برف رکھا جائے وغیرہ۔ ٹسل دونی موف کی ماں نے اس کام کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ لڑکا گاڑی لانے دوڑ گیا۔ چونکہ یہ وقت ایسا تھا کہ امید نہ تھی کہ پیٹر سبرگ کے محلے میں گھوڑا گاڑی مل سکے گی اس لئے وہ چلا کہ شہر سے باہر کی آبادی میں گاڑی بان کو تلاش کرے اور سوتے سے اٹھا کر لائے۔ ان لوگوں نے مول بھاؤ کیا اور کہنے لگے کہ رات کا پچھلا پہر ہے، اگر پانچ روبل میں بھی گاڑی جائے تو سمجھو بہت کم پیسے لئے۔ آخر بمشکل ان میں سے ایک اس پر راضی ہو گیا کہ تین روبل میں چلا جائے گا۔ لیکن صبح کے چار بجے کے قریب جب وہ نوجوان کرائے کی گاڑی لئے ہوئے ٹسل دونی موف کے ہاں پہنچا تو اس سے بہت پہلے ہی ارادے بدل چکے تھے۔ اندازہ یہ ہوا کہ ایوان ایلیچ جو ابھی تک بے ہوش پڑے تھے، ان کی طبیعت اس درجہ ناساز تھی اور وہ اس طرح تڑپتے اور کراہتے تھے کہ دیکھ کر رحم آتا تھا۔ ایسے میں ان کو ہلانا جلانا خطرناک نہیں تو ناممکن ضرور ہوتا۔ "اور کون جانے اس کا انجام کیا ہو؟" ٹسل دونی موف نے بالکل ہی جی چھوڑ کر خود سے سوال کیا۔ اب کیا ہونا چاہئے؟ ایک مسئلہ اور اٹھ کھڑا ہوا : اگر مریض کو اسی مکان میں چھوڑنا ہے تو وہ کون سی جگہ ہے جہاں رکھا جائے؟ سارے مکان میں صرف دو ہی بستر تھے۔ ایک تو وہ

بھاری بھرکم مسہری شادی کی جس پر ملیکوپیتا ئف اپنی بیوی کے ساتھ آرام فرما ہوتا تھا اور ایک نو خریدا دوہرا پلنگ تھا نقلی اخروٹ کی لکڑی کا جو دولہا دلہن کے لئے مخصوص تھا۔ گھر والوں کی اکثریت فرش پر برابر برابر سو جایا کرتی تھی۔ نیچے پروں کی تو تکیں پڑی رہتی تھیں جن کی حالت بڑی ابتر تھی۔ بدبودار اور بہت ہی واہیات چیزیں' اور وہ بھی اتنی کہ مشکل سے پوری پڑتی تھیں۔ اب سوال یہ کہ مریض کو لٹایا جائے تو کہاں؟ پروں والی توشک تو بہرحال مہیا کی جا سکتی تھی اور اس کے لئے یہ کہا جا سکتا تھا کہ کسی سوتے ہوئے کے نیچے سے ایک کھسکا لی جائے لیکن توشک لے کر بچھائی کہاں جائے اور کس چیز پر؟ عمدہ سے عمدہ جگہ جو ہو سکتی تھی وہ دیوان خانہ تھا کیوں کہ وہ گھر والوں کی بھنبھناہٹ سے کافی ہٹ کر واقع ہوا تھا' اور اس میں آنے جانے کا دروازہ بھی الگ تھا۔ لیکن توشک اس کمرے میں ڈالی کہاں جائے؟ ظاہر ہے کہ کرسیوں پر تو ڈالنے سے رہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ صرف اسکول کے بچے' وہ بھی جب ہفتے اتوار کی چھٹی میں گھر آتے ہیں تو کرسیوں پر ان کا بستر بچھونا پڑ جاتا ہے۔ ایوان ا ایلیچ جیسی شخصیت کے لئے ایسا بستر بنانا بڑی ہی بے عزتی کی بات ہوتی۔ اب تو بنا بھی دیں لیکن کل وہ کیا کہیں گے جب آنکھ کھلے گی اور دیکھیں گے کہ مجھے کرسیوں پر لٹا دیا گیا تھا۔ بسل دونی موف ان الفاظ کی تاب نہ لا سکے گا۔ اب لے دے کے ایک ہی سبیل رہ گئی تھی کہ انہیں دولہا دلہن کی سیج پر لٹا دیا جائے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ سیج ایک چھوٹے سے کمرے یا کوٹھری میں تیار رکھی تھی اور کھانے کے کمرے سے اس میں راستہ جاتا تھا۔ اس پر بالکل نو خرید دوہری توشک پڑی تھی جس پر ابھی تک کوئی سویا نہ تھا' صاف ستھری چادریں اور چار گلابی رنگ کے سوتی تکیے جن پر جھالر دار ململ کے غلاف لگے ہوئے۔ نرم پروں کی توشک گلابی ساٹن کی تھی سلیقے سے سلی ہوئی۔ ململ کے پردے اوپر جھولتے ہوئے گلٹ کے ایک چھلے میں ٹنکے ہوئے تھے۔ مختصر یہ کہ ہر چیز ٹھیک ویسی تھی جیسی اسے ہونا چاہئے تھا۔ اور مہمان جن میں قریب قریب سبھی اس آرام کمرے میں جھانک گئے تھے' زوروں میں تعریف کر چکے تھے۔ ہرچند کہ دلہن بسل دونی موف کو ناپسند کرتی تھی' تاہم دن چھپے کے بعد سے رات گئے تک وہ کئی بار دبے پاؤں چپکے چپکے آکر اس کمرے کو دیکھ گئی تھی۔ اب اس کے بعد اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس پر کس بلا کی جھلاہٹ اور طیش کی کیفیت طاری ہوئی ہو گی جب اسے پتہ چلا کہ شادی کی اسی سیج پر

ایک بیمار آدمی کو ڈالا جانے والا ہے جس پر بیٹھنے کا سا دورہ پڑا بتایا جاتا ہے۔ دلہن کی ماں بھی بیٹی کی حمایت پر اتر آئی۔ اس نے زور زور سے کوسنے دینے شروع کر دئے اور یہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ اچھا صبح ہونے دو، میاں کو خبر کی جائے گی۔ لیکن ٭سل دونی موف نے قوت ارادی کا ثبوت دیا اور اس پر ڈٹ گیا کہ وہی ہو گا جو اس نے دل میں ٹھان لیا ہے۔ ایوان ا یلیچ کو دولہا دلہن کی سیج پر لٹا دیا گیا اور نئے جوڑے کے لئے کرسیاں جوڑ کر ان پر گدا ڈال دیا گیا۔ دلہن چنچنائی اور اس پر کمربستہ ہو گئی کہ ہر ایک کو دھنک ڈالے لیکن شوہر سے سرتابی کی ہمت نہ پڑی۔ باوا جان کے پاس ایک بیساکھی تھی جسے وہ خوب پہچانتی تھی اور جانتی تھی کہ کل وہ دن آنے والا ہے جب میرے باپ بعض معاملات کے بارے میں تفصیل سے سوال جواب کریں گے۔ اس کا دل رکھنے کے لئے گلابی توشک اور ململ کے غلاف والے تکئے سیج سے اٹھا کر دیوان خانے میں لے آئے ہی تھے کہ اسی وقت وہ نوجوان گاڑی لئے ہوئے پہنچا۔ جب اسے پتہ چلا کہ گاڑی کی ضرورت نہیں رہی تو اسے ہول چڑھا۔ مطلب یہ کہ اب اسے گاڑی کا کرایہ اپنی جیب سے چکانا پڑے گا اور جیب کو تو کبھی دس کوپک تک نصیب نہ ہوئے تھے۔ ٭سل دونی موف نے بھی صاف اپنے دیوالیہ پن کا اعلان کر دیا۔ کوشش کی گئی کہ گاڑی والے کو کہہ سن کر چپ کر دیا جائے لیکن اس نے چیخ پکار مچانی شروع کر دی اور کھڑکیوں پر گھونسے جما دئے۔ میں ٹھیک سے بتا نہیں سکتا کہ یہ قصہ کیوں کر نمٹا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکا خود اس گاڑی میں یرغمال بن کر بیٹھ گیا اور اسے ٭سکی میں چوتھی کرسمس اسٹریٹ کو لے چلا جہاں سے امید تھی کہ ایک طالب علم کو، جو وہاں شب بسری کے لئے کسی دوست کے پاس ٹھیرا ہوا تھا، جگا کر، اگر اس کے پاس روپیہ ہوا تو حساب چکا دے گا۔ صبح کے ساڑھے چار بج چکے تھے تب کہیں نئے جوڑے کو تنہائی میسر آئی اور ان کا کمرہ بند ہو گیا۔ ٭سل دونی موف کی ماں رات بھر مریض کی دیکھ بھال کرتی رہی۔ فرش پر اس نے اپنے لئے ٹاٹ ڈال لیا تھا اور ٹانگیں پھیلا کر اوپر سے اپنا ہلکا کوٹ اوڑھ لیا تھا لیکن اس کی آنکھ نہیں لگی کیوں کہ اسے بار بار اٹھنا پڑتا تھا۔ ایوان ا یلیچ کو بری طرح دست چھوٹنے لگے تھے۔ کس ہمت کی عورت تھی وہ، کیا بڑا دل گردہ پایا تھا اس نے کہ اکیلی اپنے ہاتھوں سے ان کے کپڑے اتارتی، سہارا دیتی، سنبھالتی جیسے خود اپنی اولاد کو اور اس آرام کمرے یا کوٹھری سے گیلری میں ہو کر رات بھر گندگی کے برتن لاتی،

لے جاتی رہی۔ لیکن اس رات جتنی مصیبتیں آنے والی تھیں ان کا ابھی اور بہت دیر سلسلہ چلنا تھا۔

ابھی نئے بیاہتا جوڑے کو کمرے میں چٹخنی لگا کر بند ہوئے مشکل سے دس منٹ گزرے ہوں گے کہ اتنے میں کلیجہ چیر ڈالنے والی چیخ بلند ہوئی۔ یہ چیخ مزے یا لطف کی نہیں بلکہ انتہائی منحوس قسم کی تھی۔ اس کے بعد بھد سے گرنے کی آواز ہوئی' زور سے ٹوٹنے کا دھڑاکا' اور ایک شور جیسے کرسیاں گر رہی ہوں۔ آنا" فانا" اس اندھیرے کمرے پر ہانپتی کانپتی عورتوں نے دھاوا بول دیا جو بستر کے کپڑوں میں تھیں اور کپڑے بھی ایک سے ایک نرالے۔ ان عورتوں میں کون کون تھا؟ دلہن کی والدہ محترمہ' اس کی بڑی بہن جو اپنے چھوٹے چھوٹے بیمار بچوں کو ذرا دیر کے لئے چھوڑ کر دوڑی تھی' اس کی تینوں خالائیں' جن میں وہ ٹوٹی ہوئی پسلی والی بھی تھی۔ حد ہے کہ باورچی بھی موجود تھا اور وہ جرمن بھی تھی جو جنوں پریوں کی کہانیاں سنایا کرتی تھی کہ اس کا ذاتی گدیلا جو سب کے گدیلوں سے عمدہ تھا اور اس کا واحد سروسامان تھا' زبردستی اس کی کمر کے نیچے سے کھینچ لیا گیا تھا اور نئے جوڑے کو دے دیا گیا تھا' وہ بھی دیکھنے آئی کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ یہ سب قابل اور دور کی کوڑی لانے والی عورتیں باورچی خانے میں سے چھپ چھپ کر قدموں کی آہٹ کئے بغیر پنجوں کے بل گیلری میں سے ہو کر تاک میں لگی ہوئی تھیں اور کوئی پاؤ گھنٹے سے ہال پر کان لگائے ہوئے تھیں۔ سب کو بلا کی کرید لگی تھی۔

اتنے میں کسی نے ایک موم بتی جلا دی جلدی سے اور سب کی آنکھوں کے سامنے ایک نہایت خلاف امید منظر کھلا تھا۔ ہوا یہ کہ کرسیاں دو دو آدمیوں کا بوجھ نہ سنبھال سکیں۔ وہ گدیلے کو صرف کناروں پر سے سہارا دئے ہوئے تھیں' ان کا ذرا اپنی جگہ سے سرکنا تھا کہ گدیلا کرسیوں کے بیچ میں بھد سے فرش پر آ پڑا۔ دلہن غصے کے مارے چیخنے منمنانے لگی۔ اس بار اس کا تیر نشانے پر لگا۔ بدحواس بسل دونی موف ایسے کھڑا تھا جیسے کوئی مجرم ہے جسے عین موقع پر پکڑ لیا گیا۔ اس نے ذرا کوشش بھی نہ کی کہ صفائی پیش کرے۔ ہر طرف سے ہائے واویلا اور چیخ پکار سنائی دیتی تھی۔ بسل دونی موف کی ماں نے جو یہ شور سنا تو وہ بھی دوڑی ہوئی آئی لیکن اس بار دلہن کی ماں کا جھنڈا اوپر چڑھ چکا تھا۔

اس نے پسل دونی موف کو عجیب عجیب قسم کی اور زیادہ تر ناانصافی کی ڈانٹ پھٹکار سنا ڈالی- مثلاً یہ کہ شرم نہیں آتی' اوپر سے خود کو شوہر کہو گے اس کے بعد؟ ایسی بے عزتی کے بعد تم کس کرم کے؟ وغیرہ' اور آخر ماں نے بیٹی کا ہاتھ تھاما' اور دولہا میاں سے چھڑا کر لے گئی کہ کل صبح کو جب بدمزاج شوہر پوچھے گا کہ رات کیا ہوا تھا تو وہ خود جواب دے لے گی- باقی سب عورتیں دلہن کی ماں کے پیچھے پیچھے چل دیں' جھٹکے سے بڑبڑاتی اور سر ہلاتی- پسل دونی موف کے پاس اس کی ماں کے علاوہ کوئی نہ رہا اور ایک اسی نے اپنے بیٹے کو دلاسا دینے کی کوشش کی' مگر بیکار- بیٹے نے فوراً اسے اپنے پاس سے ہٹا دیا-

اسے تسلی یا دلاسے کی ضرورت نہ تھی- لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے کوچ تک پہنچ کر وہ بیٹھا اور گہری ادھیڑ بن میں ڈوب گیا- پیروں میں جوتے نہ تھے اور تن پر لباس نہ تھا سوائے ایک کے جو مجبوری کو لگا رکھا تھا- دماغ میں خیالات ایک دوسرے کے پیچھے اندھا دھند دوڑ رہے تھے- ٹھیر ٹھیر کر وہ اس کمرے پر ایک خالی خولی نگاہ دوڑا لیتا تھا جہاں ابھی کچھ دیر پہلے ناچنے والوں نے مزے کی دھاچوکڑی مچا رکھی تھی اور ہوا ابھی تک سگرٹ کے دھوئیں سے بوجھل تھی- گندے فرش پر' جو جگہ جگہ سے گیلا تھا' مٹھائی کی گولیوں کے چمکیلے کاغذ اور سگرٹ کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے- بیاہ کی سیج کی بربادی اور الٹی پلٹی کرسیوں کا منظر اس کی گواہی دے رہا تھا کہ دنیا کے سب سے عزیز خواب اور آرزوئیں سب ہیچ ہیں- وہ پورے گھنٹے بھر اسی صورت سے بیٹھا رہا- اس کے دماغ میں صرف تاریک سے تاریک خیالات اڈے چلے آ رہے تھے: "اب دیکھو' دفتر میں کیا پیش آتا ہے؟" قلق کے ساتھ اس نے یہ اندازہ کیا کہ کچھ بھی ہو' مجھے کوئی اور نوکری تلاش کرنی پڑے گی کیوں کہ آج رات جو کچھ پیش آیا اس کے بعد یہاں کی نوکری پر ٹھیرنا ممکن نہیں رہا ہے- ملیکوپیتائف کا خیال بھی اس کے دماغ میں آیا- یہ شخص کل پھر مجبور کرے گا کہ اس کے سامنے قزاچوک ناچ کیا جائے تاکہ داماد کی سعادت مندی کا امتحان ہو جائے- سوچتے سوچتے یہ بھی یاد آیا کہ اگرچہ ملیکوپیتائف نے اسے شادی کے خرچ کے لئے پچاس روبل دے دئے تھے اور اس کا پیسہ پیسہ اٹھ چکا تھا' لیکن چار سو روبل کے جہیز کا جو وعدہ ہے اس کے دینے دلانے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا سنا- اور مکان تک کی باقاعدہ رجسٹری نہیں ہوئی- پھر خیال اپنی بیوی کی طرف گیا کہ وہ زندگی کے ایسے انتہائی نازک موقع پر

ساتھ چھوڑ کر چل دی اور وہ لمبے قد کا افسر یاد آیا جو ادب کے ساتھ ایک گھٹنے پر اس کے آگے جھکا تھا- یہ بات پسل دونی موف کی نظر میں خوب آ چکی تھی- اسے وہ کہنا بھی یاد آیا کہ اس لڑکی میں سات عیب ہیں- یہ تو خود لڑکی کے باپ نے ہی کہہ دیا تھا اور اس بیساکھی کا خیال آیا جو ان عیبوں کو ٹھونک پیٹ کر نکالنے کے لئے تیار تھی- ان سب باتوں کی طرف خیال گیا اور یہ صحیح ہے کہ وہ سب کچھ سہہ جانے کی ہمت اپنے اندر پاتا تھا لیکن تقدیر نے اس کے لئے آخر میں ایسے فتنوں کا سامان کر رکھا تھا جنھوں نے اپنی قوت کے بارے میں قریب قریب مذبذب ہو جانے پر مجبور کر دیا-

پسل دونی موف یوں دکھی ہوتا رہا- موم بتی کی لو بھی نیچی ہو گئی اور ٹمٹماتی ہوئی روشنی سیدھی اس کے چہرے کے ایک رخ پر پڑتی تھی تو دیوار پر بہت لمبا چوڑا سایہ نظر آتا تھا' لمبی کھنچی ہوئی گردن' نوکیلی ناک' اور بالوں کی دو لٹیں' ایک ٹھیک ماتھے پر' دوسری گدی پر آگے کو نکلی ہوئی- آخر جب صبح کی تازگی نے دبے پاؤں کمرے میں قدم رکھا تو پسل دونی موف اپنی جگہ سے اٹھا- وہ لرز رہا تھا اور بالکل بے حس تھا- کرسیوں کے درمیان پڑے ہوئے گدیلے پر لڑھک گیا اور کسی چیز کو ٹھیک ٹھاک کئے بغیر' موم بتی نہ بجھا کر' ایک تکیہ تک اپنے سر کے نیچے نہ کھینچ کر ڈالا بس خود کو الٹے پلٹے بچھونے پر ڈال دیا اور پاؤں پھیلا کر موت کی سی گہری نیند میں ڈوب گیا- یہ ایسا خواب غفلت تھا جس کا لطف شائد وہی لوگ جانتے ہوں گے جنہیں کل پھانسی دی جانے والی ہو-

لیکن ایوان ایلیچ پرالینسکی نے بدنصیب پسل دونی موف کے بستر شادی پر جو کرب و اذیت کی رات گزاری' اس کا کوئی جواب نہیں- کچھ دیر تو یہ حال رہا کہ ایک منٹ کو بھی درد سر' ابکائی اور اس طرح کی بڑی بڑی کیفیتوں سے انہیں نجات نہ تھی- جہنم کے عذاب سے گزر رہے تھے وہ- ہوش بھی آتا تھا' اگرچہ دماغ میں یوں ہی دھندلی سی روشنی ہوتی تھی' تو خوف و دہشت کے ایسے غار آنکھوں کے آگے آتے تھے' اس قدر افسوس ناک اور نفرت انگیز مناظر کھلتے تھے کہ ہوش میں آنے سے بالکل بے ہوش اور غافل رہنا بدرجہا بہتر تھا- ان کے دماغ میں ابھی تک سارا نقشہ الٹ پلٹ تھا- پسل دونی موف کی ماں کو انہوں نے پہچان لیا اور اس کے شفقت بھرے نصیحت کے الفاظ بھی کان میں پڑے: "برداشت کر

جاؤ، لاڈلے، صبر سے کام لو، صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" اگرچہ وہ شناخت کر رہے تھے کہ یہ دولھا کی ماں ہیں تاہم کوئی معقول وجہ ذہن میں نہ آتی تھی کہ یہی میرے پاس یہاں کیوں موجود ہیں؟ بری بری صورتیں نظروں کے سامنے پھر رہی تھیں۔ سب سے اکثر سیمیون ایوانووچ کا چہرہ تھا۔ لیکن جب زیادہ توجہ اور غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ سیمیون ایوانووچ قطعی نہیں تھے بلکہ پسل دونی موف کی لمبی ناک تھی۔ وہ آرٹسٹ، وہ افسر، عمر رسیدہ عورت جس کا گال سوجا ہوا تھا، سب تیزی سے آنکھوں میں پھر گئے۔ ان کے خیالات پر سب سے بڑھ کر جو شے چھائی ہوئی تھی وہ گلٹ کا چھلا تھا جو سر کے اوپر لٹک رہا تھا اور جس میں سے ہو کر پردے ٹنگے تھے۔ موم بتی کے آخری جلتے ہوئے ٹکڑے کی دھندلی روشنی میں وہ اس چھلے کو صاف پہچان رہے تھے اور برابر اپنے آپ سے سوال کئے جاتے تھے: "یہ چھلا کس لئے ہے؟ یہاں کیوں لگا ہوا ہے؟ اس کا مطلب کیا؟" انہوں نے اس تیماردار عورت سے بھی کئی بار اس کے متعلق سوال کیا لیکن ایسا لگتا ہے کہ جو وہ کہنا چاہتے تھے اس سے مختلف بات منہ سے نکلی۔ انہوں نے سمجھانے کی کوشش ضرور کی ہو گی مگر وہ ان کا مطلب سمجھ نہ سکی۔ آخر دن کا اجالا ہونے سے پہلے بیماری کی شدت ختم ہوئی اور ان کی آنکھ لگ گئی۔ کوئی گھنٹہ بھر انہیں خوب گہری نیند رہی اور خوابوں نے پریشان نہیں کیا، اس کے بعد جب آنکھ کھلی ہے تو وہ قریب قریب پوری طرح ہوش میں تھے، البتہ درد کے مارے سر پھٹا جاتا تھا اور منہ کا ذائقہ بہت ہی برا تھا اور زبان ایسی ہو رہی تھی جیسے فلالین کا ٹکڑا۔ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ چاروں طرف نظر دوڑائی اور دماغ لڑانے کی کوشش کی۔ سویرے کی زرد زرد روشنی کھڑکیوں کی درازوں میں سے اندر گھسنے کے لئے زور لگا رہی تھی اور دیوار پر اس کی دھاری زیادہ پھیلتی جا رہی تھی۔ صبح کے کوئی سات بج چکے تھے۔ لیکن جب ایوان ایلیچ نے اچھی طرح جان لیا کہ کس جگہ موجود ہیں اور انہیں وہ سب یاد آیا جو اس رات کو بیت چکا تھا تو خیال گیا کہ کھانے کی میز پر کیا کیا حادثے گزر گئے تھے، شاندار کارنامہ کر دکھانے کے لئے ان کی اپنی بے تابی، اپنا تقریر کرنا بھی یاد آ گیا اور انہوں نے سوچا کہ ان تمام باتوں کا خمیازہ ہو گا کہ لوگ کیا کچھ نہ کہیں گے، کیا کچھ نہ سوچیں گے، دماغ پر بجلی سی کوند گئی اور خوف ناک وضاحت کے ساتھ اس کی تصویر آنکھوں میں گھوم گئی۔ جب انہوں نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور دیکھا کہ اپنے ماتحت کے شادی کے راحت بھرے بستر کو

کس قدر آلودہ اور تباہ کر کے رکھ دیا ہے ---- اُدہ' تو پھر شرم سے وہ ڈوب گئے' دل میں اس زور کا درد اٹھا کہ ان کی چیخ نکل گئی اور منہ ہاتھوں سے چھپا لیا اور بے بس ہو کر خود کو تکئے میں دھنسا لیا۔ منٹ بھر بعد وہ پھر بستر سے کود کر کھڑے ہو گئے' دیکھا کہ ان کا لباس ایک کرسی پر دھلا دھُلایا تہہ کیا ہوا رکھا ہے۔ انہوں نے اسے سنبھالا اور چاہا کہ پہن ڈالیں۔ چپکے سے ایک نگاہ اپنی پشت پر ڈال لی کہ کوئی ہے تو نہیں۔ گویا وہ کسی نہ کسی بات سے سہمے ہوئے تھے۔ ایک اور کرسی پر ان کو کوٹ لٹکا تھا اور ٹوپی رکھی تھی۔ ٹوپی میں ہی چمڑے کے دستانے موجود تھے۔ انہوں نے چپکے سے نظر بچا کر نکل جانا چاہا لیکن اتنے میں ایک دروازہ کھلا اور بسل دونی موف کی ماں اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں مٹی کا ایک پیالہ تھا اور چینی کا تسلا' کاندھے پر تولیہ لٹکا ہوا تھا۔ اس نے تسلا زمین پر رکھ دیا اور صاف صاف دو ٹوک کہہ دیا کہ آپ کو منہ ہاتھ دھونا ہے۔ اس میں کہنے سننے کی گنجائش نہیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے عزیزم' منہ ہاتھ دھوئے بغیر جا نہیں سکتے ہیں آپ....."

"عین اس لمحے ایوان ایلیچ کو محسوس ہوا کہ اگر دنیا میں کوئی ہستی ہے جس کے سامنے وہ بے حجاب اور بے تکلف محسوس کر سکتے ہیں تو بس یہی ایک عمر رسیدہ عورت ہے۔ انہوں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لیا۔ بعد میں جب کبھی ان کا دل ڈوبا ہوا ہو گا تو پشیمانی کے اور کئی اسباب میں اس آج کی بیداری کا ایک ایک ذرہ یاد آئے گا۔ یہ مٹی کا برتن' یہ چینی کا تسلا جس میں ٹھنڈا پانی لبالب بھرا ہے' اور ابھی تک برف کے ڈلے تیر رہے ہیں' یہ صابن کی انڈے جیسی ٹکیا جو گلابی کاغذ میں لپٹی ہوئی ہے اور جس پر حروف کھدے ہوئے ہیں' یہی کوئی پندرہ کوپک کی' دولہا دلہن کے لئے خریدی گئی ہو گی لازمی طور پر' لیکن اس کی قسمت میں لکھا تھا کہ سب سے پہلے ایوان ایلیچ کے ہاتھوں میں جائے ..... اور یہ عمر رسیدہ عورت لی نن کا تولیہ بائیں کاندھے پر ڈالے ہوئے۔ یہ سب یاد آئے گا ..... ٹھنڈے پانی نے انہیں تازہ دم کر دیا۔ انہوں نے منہ ہاتھ پونچھا۔ اور زبان سے ایک لفظ کہے بغیر' یہاں تک کہ اپنی تیماردار کا شکریہ ادا کئے بغیر ٹوپی ہاتھ میں لی' کوٹ کاندھے پر ڈالا جو بسل دونی موف کی ماں نے ان کی طرف بڑھا دیا تھا اور دالان میں سے ہو کر باورچی خانے میں پہنچے جہاں کوئی بلی میاؤں میاؤں کر رہی تھی اور باورچن نے اپنے گدیلے پر اٹھ کر انہیں

تعجب کی نظروں سے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہاں سے لپکے ہوئے وہ احاطے میں پہنچے' پھر سڑک پر ہو لئے اور جاتی ہوئی ایک گھوڑا گاڑی میں زور لگا کر سوار ہو گئے۔ یخ بستہ صبح تھی۔ پالا کٹ رہا تھا۔ مکانوں پر اور ہر چیز پر نہایت سرد اور زردی مائل کہرا چھایا ہوا تھا۔ ایوان ایلیچ نے اپنے کوٹ کے کالر اٹھا لئے۔ انہیں یوں لگا گویا ہر ایک صرف انہی کو تکے جا رہا ہے اور ہر شخص انہیں پہچانتا ہے' پہچان لے گا.....

آٹھ دن تک وہ نہ تو گھر سے نکلے' نہ دفتر گئے۔ ان کی طبیعت ناساز تھی' ناساز کیا' بہت خراب' اور جسمانی سے زیادہ اخلاقی طور پر بگڑی ہوئی۔ ان آٹھ دنوں کے عرصے میں وہ سچ مچ جہنم کی اذیت سے گزرے اور امید کی جانی چاہئے کہ ان دنوں کی اذیت عاقبت میں ان کے کام آئے گی۔ ایسے بھی لمحے آئے جب واقعی انہوں نے سوچا کہ کسی تکئے پر جا کر پڑ رہیں۔ ہاں واقعی' یہ بھی سوچا۔ تصور کے پروں پر اڑتے ہوئے وہ ادھر جا نکلے تھے۔ انہیں دھیمی دھیمی' نوحہ و ماتم کی صدائیں بھی سنائی دیں' کھلی قبر بھی نظر آئی' قید تنہائی کی کوٹھری میں' جنگل میں یا غار میں کیسی زندگی ہوتی ہے' اس کا بھی انداز ہوا' لیکن جب ہوش آ گیا اور طبیعت بحال ہوئی تو انہوں نے فوراً دل میں قبول کر لیا کہ یہ سب واہیات باتیں ہیں' خواہ مخواہ کا مبالغہ ہے اور اس پر انہیں شرمندگی کا احساس ہوا۔ پھر اپنے (۱۹) existence manqee کے خیال کے گرد اخلاقی کرب اور ایذا کا دور شروع ہوا۔ پھر ان کے سینے میں شرم موجیں مارتی اٹھی' شرم ہی شرم چھا گئی اور دل کو زخمی کر گئی اور زخموں پر نمک چھڑک گئی۔ وہ تھرا اٹھے' آنکھوں کے سامنے طرح طرح کی تصویریں گھومنے لگیں۔ مثلاً' اب لوگ کیا کچھ نہ کہیں گے؟ کیا کچھ نہ سوچیں گے؟ اور جب دفتر جاؤں گا تو کیا کیا افواہیں گرم نہ ہوں گی جو سال بھر تک' دس برس تک بلکہ ساری زندگی ان کا یہ پیچھا کرتی رہیں گی۔ بلکہ عجب نہیں جو یہ افسانہ اگلی نسلوں تک سینہ بہ سینہ پہنچ جائے۔ ان کے دل پر ایسی دہشت بیٹھی کہ ایک بار تو وہ اس نوبت کو پہنچ گئے تھے کہ ابھی سیمیون ایوانووچ کے پاس جا کر معافی مانگیں اور دوستی کی درخواست کریں۔ انہوں نے خود کو حق بجانب سمجھنے تک کی کوشش نہ کی اور خود کو ہی برابر لعن طعن کرتے رہے۔ اپنے کرتوت کا کوئی جواز' کوئی بہانہ ان کو نہ ملتا تھا' وہ ان سے ملنے جاتے ہوئے بھی شرماتے تھے۔

یہ خیال بھی ان کو آیا کہ ہاتھ کے ہاتھ ملازمت سے استعفا دے دیا جائے اور اپنی

زندگی عالم انسانیت کی بہودی کے لئے وقت کر دی جائے، بالکل ایسے جیسے اب ہیں کہ بغیر کسی سہارے یا امداد کے۔ کیوں کہ ظاہر ہے، ایسا کرنے میں اپنے میل ملاقات کے سب لوگ تبدیل کر دینے ہوں گے اور اس طرح بدلنے ہوں گے کہ پچھلی تمام یادیں بھی محو ہو جائیں۔ پھر انہوں نے سوچا کہ یہ بات بھی واہیات اور فضول ہے۔ اور اگر میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ پہلے سے بھی ذرا زیادہ سختی سے پیش آؤں تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ جب وہ یوں سوچتے تھے تو امید قائم ہونے لگتی تھی اور جی بہلنے لگتا تھا۔ شک و شبہ اور ذہنی اذیت کے پورے آٹھ دن گزر جانے کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ بس، اب تذبذب کا عالم مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گا اور un beau matin(۲۰) فیصلہ کیا کہ دفتر چلنا چاہئے۔

ابھی وہ اپنے مکان پر ہی تھے اور دل ڈوبا ہوا تھا ---- کہ انہوں نے ہزار بار تصور باندھا اور سوچا کہ دفتر میں کس طرح سے قدم رکھوں گا۔ پورے طور پر یہ ہول چڑھا ہوا تھا کہ گزرتے ہوئے ان کے کانوں میں لازمی ایک گول مول قسم کی کھسر پھسر پڑے گی، بڑے مشتبہ سے چہرے نظر آئیں گے اور بدظن ہنسی چہروں پر بکھری ہو گی۔ مگر جب وہ دفتر میں داخل ہوئے اور ان سب باتوں میں سے کچھ بھی نہ ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ لوگ ان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئے، تعظیم سے جھکے۔ سب کی صورتوں پر سنجیدگی برس رہی تھی۔ سب اپنے اپنے کاموں سے لگے ہوئے تھے۔ ایوان ا یلیچ کا دل باغ باغ ہو گیا اور وہ اپنے پرائیویٹ کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

اندر پہنچنا تھا کہ وہ گمبھیر کارروائیوں میں لگ گئے۔ کچھ رپورٹیں، کچھ بیانات اور تشریحات سنیں اور کچھ ہدایات جاری کیں۔ انہیں یوں محسوس ہوا کہ جس خوبی سے آج کے دن میں نے بحث و دلیل کی ہے، قائل معقول کیا ہے اور بالکل کاروباری انداز میں معاملات نمٹائے ہیں، ایسے تو کبھی کئے ہی نہ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ ان کی بات سے مطمئن ہوئے، داد بھی دی گئی اور عزت و تعظیم کا برتاؤ ان کے ساتھ کیا گیا۔ باریک سے باریک بات تولنے والی خودداری بھی ہوتی تو اسے کہیں کوئی بے ضابطگی نظر نہ آتی۔ کام بڑے شاندار طریقے سے ہوا۔

بالاخر ایکم پیترووچ خود کچھ کاغذات لئے ہوئے حاضر ہوا۔ اس پر نظر پڑنی تھی کہ

ایوان ایلیچ کے دل پر خنجر لگا۔ مگر یہ صرف ایک لمحے کا احساس تھا۔ ورنہ ایکم پیتروویچ کے ساتھ انہوں نے کام کیا۔ اپنی آن بان قائم رکھی۔ اسے بتایا کہ کیا کرنا ہے اور ایک ایک بات اچھی طرح سمجھا دی۔ البتہ انہیں اتنا ضرور محسوس ہوا کہ ایکم پیتروویچ پر دیر تک نظر ٹھیرانے سے کترا رہے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ ایکم پیتروویچ انہیں دیکھتے ذرا ڈرتا ہے۔ لیکن اتنی دیر میں اس کا کام بھی پورا ہو چکا تھا اور وہ اٹھنے کو کاغذات سمیٹ رہا تھا۔

"ایک درخواست اور ہے" ایکم پیتروویچ نے، جس قدر بھی ٹھنڈے اور خشک طریقے سے کہہ سکتا تھا، کہا "رجسٹری کا کلرک بسل دونی موف چاہتا ہے کہ اسے ڈپارٹمنٹ میں تبدیل کر دیا جائے ..... ہزاکسی لینسی سیمیون ایوانوویچ شیپولینکو نے اسے جگہ دینے کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ وہ آپ کی عنایت کا طلب گار ہے، یوراکسی لینسی۔"

"اچھا، تو تبادلہ چاہئے اس کو" ایوان ایلیچ نے کہا اور انہیں یوں لگا کہ ان کے کاندھوں پر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ ایک نگاہ انہوں نے ایکم پیتروویچ کو دیکھا اور لمحے بھر کو دونوں کی نظریں چار ہو گئیں۔

"اچھی بات ہے ..... میں اپنی طرف سے ..... میں کروں گا کوشش ....." ایوان ایلیچ نے جواب دیا "میں بالکل راضی ہوں۔"

معلوم ہوتا تھا کہ ایکم پیتروویچ الٹے پاؤں نکل بھاگنا چاہتا ہے لیکن ایوان ایلیچ پر مروت اور شرافت کا ایسا دورہ پڑا کہ انہوں نے طے کیا، لاؤ آخری بات کہہ ڈالوں۔ پھر غیب سے انہیں کچھ سوجھی تھی۔

"اس سے کہہ دینا۔ بتا دینا کہ اس کی طرف سے میرے دل میں کوئی عداوت نہیں ہے" انہوں نے ایکم پیتروویچ پر بہت گہری معنی خیز نظر جماتے ہوئے کہنا شروع کیا "ہاں، میرا دل اس کی طرف سے صاف ہے، بلکہ جو کچھ ہو چکا اسے معاف کر دینے کے لئے میں قطعی تیار ہوں، سب کچھ بھلا دینے اور دل سے دھو دینے کو ....."

لیکن ایک دم انہوں نے اپنی لگام کھینچ لی کیونکہ حیرت کے مارے وہ دیکھتے رہ گئے کہ ایکم پیتروویچ کس قدر عجیب طریقے سے پیش آ رہا ہے یوں تو وہ ہمیشہ سے ایک سوجھ بوجھ کا آدمی تھا لیکن معلوم نہیں کیا سبب تھا کہ اس وقت دیکھتے دیکھتے نہایت ہی بے عقل اور سخت بے وقوف آدمی نظر آنے لگا۔ بجائے اس کے کہ ادب کے ساتھ بات سنتا، نادان اور

سادہ لوح کی طرح سرخ ہو گیا اور بدتمیزی کی حد کو پہنچی ہوئی گھبراہٹ میں اس نے جلدی جلدی تعظیم سے بار بار کسی قدر سر جھکانا شروع کر دیا اور الٹے پاؤں دروازے کی طرف ہٹتا گیا۔ وہ ایسا نظر آ رہا تھا گویا زمین کے اندر دھنس جانا چاہتا ہے یا اگر یوں نہیں تو جتنی جلدی ہو سکے اپنی کرسی پر واپس پہنچنا چاہتا ہے۔ جب ایوان ایلیچ اکیلے رہ گئے تو ذہنی طور پر بے قرار ہو کر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے آئینے پر نظر ڈالی لیکن اپنا چہرہ اس میں نہیں دیکھا۔

"نہیں جی —— سختی چاہیے، بس سختی ہی چاہیے" قریب قریب بلا ارادہ خاموشی کے ساتھ ان کے منہ سے نکل گیا اور ایک دم ان کے سارے چہرے پر گہری سرخی دوڑ گئی۔ اس لمحے وہ دل کی گہرائی میں اس قدر شرمندہ تھے، اس قدر خستہ تھے کہ اپنی آٹھ دن کی بیماری کے بدترین لمحوں میں بھی شرم اور خستگی کی اتنی سخت کیفیت نہ گزری ہو گی۔ "نبھا نہ سکا" یہ وہ جملہ انہوں نے خود اپنے آپ سے کہا اور کرسی پر بے بسی کے ساتھ ڈھے گئے

.....

(غیر ملکی زبانوں سے خواتین ادیبوں کے منتخب افسانوں کے اردو تراجم)
عورت کتھا
انتخاب و ترتیب
یاسر حبیب

Writers

Africa

Fadila al-Faruq
Grace Ogot
Nawal El Saadawi
Mona Ragab
Leila Slimani
Rafiqat al-Tabi'a
Chimamanda Ngozi Adichie
Nadine Gordimer
Gcina Mhlophe
Nafila Dhahab

Asia

Selina Hossain
Feng Zhongpu
Anita Desai
Krishna Sobti
Devi Nangrani
Uma Devi
Alka sinha
Maitreyi Pushpa
Neena Paul
Mahadevi Verma
Nasira Sharma
Shobhaa De
Clara Ng
Mina Muhammadi
Sepideh Abraviz
Aliya Mamdouh
Hirabayashi Taiko
Layla Balabakki
Rukhsana Ahmad
Bina Shah
Sadia Shepard
Samiya Atut
Khayriya al-Saqqaf
Han Kang
Najiya Thamir
Mariam al-Saedi

South America

Lygia Fagundes Telles
Isabel Allende

Australia

Katharine Susannah Prichard
Katherine Mansfield

عورت کتھا۔ یہ کتاب معروف خواتین لکھاریوں کے ۴۴ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ غیر ملکی زبانوں کے ان افسانوں کے اردو تراجم، ۲۷ ترجمہ نگاروں کی کاوشیں ہیں۔ ۲۳ کے قریب افسانے بالخصوص اس کتاب کے لیے ترجمہ کیے گئے ہیں۔ ان افسانوں کی لکھاریوں کا تعلق براعظم افریقہ، ایشیا، جنوبی امریکا اور آسٹریلیا سے ہے۔ جن میں نوبل انعام یافتہ، مین بکر انٹرنیشنل انعام یافتہ، مین بکر انعام یافتہ اور دیگر معروف بین الاقوامی انعام حاصل کرنے والی ادیبائیں بھی شامل ہیں۔ موضوع، اسلوب اور دور کے لحاظ سے مختلف افسانوں انتخاب کیا گیا ہے۔ کلاسیکی اور عصری لکھاریوں کی تخلیق کا یہ انتخاب قارئین کو ضرور پسند آئے گا۔